DELHI UNIVERSITY
LIBRARY

DELHI UNIVERSITY LIBRARY

Cl. No. O:68,1L HD,11 N61

Ac. No. E6203 Date of release for loan

This book should be returned on or before the date last stamped below. An overdue charge of 0.6 nP. will be charged for each day the book is kept overtime.

DELHI UNIVERSITY LIBRARY

مثنوی

طوطی نامہ

حسرت دہلوی ثم لکھنوی

مرتبہ

ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی

مکتبہ کلیان لکھنؤ

جملہ حقوق بحق مکتبۂ کلیاں محفوظ ہیں

قیمت

دو روپے

ناشر

مکتبہ کلیاں - بشیرت گنج لکھنؤ

فون نمبر ۵۷۲۵

ناشر: شمیم انہونوی | پرنٹر: شاہی پریس لکھنؤ

مثنوی طوطی نامۂ حسرت

جعفر علی حسرت میاں ابوالخیر عطار کے بیٹے تھے اور دہلی کے رہنے والے۔ جب دہلی کی حالت بگڑ گئی تو دیگر ارباب کمال دہلی کی طرح یہ بھی لکھنؤ چلے آئے آصف الدولہ کے زمانے میں اکبری دروازے کے قریب میاں ابوالخیر کی عطاری کی دکان تھی۔ حسرت اپنے زمانے میں لکھنؤ کے بڑے استادوں میں شمار ہوتے تھے اور جب تک میر و سودا یہاں نہیں پہنچے تھے انھیں کا طوطی یہاں بولتا تھا۔ انکے شاگرد اتنے ہو گئے تھے کہ انھیں پہچان نہ پاتے تھے۔ شیخ قلندر بخش جرأت استاد قدرت اللہ قدرت، نواب محبت خاں محبت، خواجہ حسن حسن لکھنوی ان کے مشہور شاگرد ہوئے ہیں۔ خود حسرت فارسی میں مرزا فاخر مکین سے اور اردو شاعری میں رائے سرب سنگھ دیوانہ کے شاگرد تھے لیکن بعد میں نخوت کی وجہ سے ان کی شاگردی سے منحرف ہو گئے تھے۔ کچھ عرصہ حسن علی خاں بہادر کی سرکار میں اور کچھ عرصہ مرزا جہاندار شاہ کے ملازم رہے جب باپ کا انتقال ہو گیا تو ملازمت سے دست بردار ہو کر اپنا آبائی پیشہ شروع کیا تھا لیکن کچھ عرصہ بعد کسی درویش کی باتوں سے اتنا متاثر ہوئے کہ انھوں نے بھی دنیا ترک کر کے درویشی اختیار کر لی اور گوشہ نشین ہو گئے۔ ۱۲۰۶ھ مطابق ۱۷۹۱ء میں وفات پائی۔ ان کے شاگرد جرأت نے یہ تاریخ کہی۔

خلاق مضامین جو رحلت فرمائے ہر اہل سخن کو کیوں نہ حسرت رہ جائے
جرأت نے کہی رو کے یہ تاریخ وفات یوں جا وے جہاں سے حسرت ارماں ہو ہائے ۱۲۰۶ھ

حسرت کا کلیات بہ استثنائے مرثیہ جملہ اصناف سخن پر مشتمل ہے۔ دو دیوان غزل کے ہیں ایک دیوان رباعیات کا۔ اس کے علاوہ مثنوی۔ ہجو۔ ترکیب بند۔ ترجیع بند۔

قصائد، شہر آشوب ساقی نامہ غرضکہ ہر صنفِ سخن موجود ہے۔

آزاد نے آبِ حیات میں لکھا ہے کہ ان کے کلام میں پھیکے شربت کا مزہ آتا ہے۔ صاحب خمخانہ جاوید نے اس پر یہ لکھا کہ "غالباً آزاد کی نظر سے انکا دیوان گذرا ہے۔ یہ رائے اس پر ایک حد تک صحیح ہے" اور خود پھر یہ رائے لکھی ہے کہ "حسرت کا کلام اکثر شعرائے متقدمین کے مانند تصنع اور ناگوار رعایت لفظی سے پاک ہے اور سادگی خیال کی بنیاد پر فی الجملہ میر کے کلام سے مشابہ ہے اگرچہ ترکیبوں کی موزونیت اور الفاظ کی برجستگی میں میر تقی کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ اکثر غزل کو قطعہ پر ختم کرتے ہیں اور مضمون مسلسل کے گرویدہ ہیں۔ یہ خصوصیت جرأت اور شاگردانِ جرأت میں بھی پائی جاتی ہے۔" حسرت کے کلام کا ایک سرسری ہی مطالعہ بتا دیتا ہے کہ یہ دونوں رائیں بالکل صحیح ہیں۔ اشعار پڑھتے چلے جائیے مشکل سے اور دیر میں کوئی ایسا شعر نکلے گا جو روح کو تڑپا دے یا قلب کو گرما دے۔ انداز بیان میں بھی کوئی ایسی تہ داری نہیں جو ذہن کو متوجہ با متاثر کرے سیدھے سادے طریقہ پر کہتے چلے جاتے ہیں۔ البتہ روانی ان کے کلام میں خوب ہے اور ثقیل یا غریب لفظ اس طرح نہیں لاتے کہ ناگوار معلوم ہو۔ یعنی انکی پختہ گوئی میں شک نہیں کیا جا سکتا۔ مضامین بیشتر معاملہ بندی کے ہیں لیکن ایسے کہ انھیں ٹھنڈی سرگرمیاں کہہ سکتے ہیں۔ آزاد نے صحیح لکھا ہے کہ ان کے کلام میں پھیکے شربت کا مزہ آتا ہے۔ میری رائے میں ان کے ہر دو دیوان اسی خصوصیت کے حامل ہیں۔

جیسا کہ ان کے عہد کے تمام تذکرہ نویسوں[1] نے لکھا ہے انھیں اپنی شاعری پر گھمنڈ بہت تھا۔ یہ اپنے آپ کو میر و سودا سے کمتر نہیں سمجھتے تھے۔ جگہ جگہ

[1] میر حسن، مصحفی، احمد علی یکتا، ناصر (صاحب خوش معرکۂ زیبا)

انھوں نے اِن اُستادوں کی غزلوں پر غزلیں، قصیدوں پر قصیدے اور دیگر نظمیں از قسم ہجویات یا شہر آشوب وغیرہ لکھی ہیں اور اپنے آپ کو ہم پلہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ ایک غزل کے مقطعے میں یوں لکھتے ہیں:

قائم (وسودا) در و یقیں تیر ان کی غزل ہو خوب ولے
تو نے حضرت اپنی غزل میں صحیح کہ بڑا ہی کام کیا

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ان بزرگوں کے معراجِ تخیل تک نہیں پہنچ سکتے۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ یہ ایک قادر الکلام شاعر ہیں۔ وہ معاملہ بندی کے سلسلے میں انھیں مؤمن و جرأت کا پیش رو کہا جا سکتا ہے۔ ذیل میں ان کی غزلوں سے چند منتخب شعر اور ایک غزل نمونتہ درج کی جاتی ہے

ترا تو تب [illegible]   جب ہو رہے کچھ اختیار اپنا

مجھے بس سانس [illegible] درد و غم لینے [illegible]
عجب کچھ [illegible] در پیش کہ ہم لینے نہیں دیتا

بھولتا ہی نہیں وہ دل سے اُسے   ہم نے سو سو طرح بھلا دیکھا

بہاریں بھول گئیں پر یاد ہے اتنا کہ گلشن میں
گریباں چاک کرنے کا بھی اک ہنگام آیا تھا

کوڑیوں کے مول بیچا مصر میں تو نے فلک   ہائے اس یوسف کو جو تھا سارے کنعاں کی شب

تری فرقت میں ہے شام و سحر مجھ کو عجب مشکل
جو شب کاٹی تو دن مشکل، جو دن کاٹا تو شب مشکل

گردشِ چشم نے ساقی کے چھکایا ہے ہمیں
کچھ نہیں ہم کو رہا گردشِ ایام سے کام

تجھ سے کیا کہیے دردِ دل اسکن   نہیں رہتی زبان کیسا کیجیے

قصائد، شہر آشوب ساقی نامہ غرضکہ ہر صنفِ سخن موجود ہے۔

آزاد نے آبِ حیات میں لکھا ہے کہ ان کے کلام میں پھیکے شربت کا مزہ آتا ہے۔ صاحب خمخانۂ جاوید نے اس پر یہ لکھا کہ "غالباً آزاد کی نظر سے انکا دیوان گذرا ہے۔ یہ رائے اس پر ایک حد تک صحیح ہے" اور خود پھر یہ رائے لکھی ہے کہ "حسرت کا کلام اکثر شعرائے متقدمین کے مانند تصنع اور ناگوار رعایت لفظی سے پاک ہے اور سادگیٔ خیال کی بنیاد پر فی الجملہ میر کے کلام سے مشابہ ہو اگرچہ ترکیبوں کی موزونیت اور الفاظ کی برجستگی میں میر تقی کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ اکثر غزل کو قطعہ پر ختم کرتے ہیں اور مضمون مسلسل کے گرویدہ ہیں۔ یہ خصوصیت جرأت اور شاگردانِ جرأت میں بھی پائی جاتی ہے"۔ حسرت کے کلام کا ایک سرسری ہی مطالعہ بتا دیتا ہے کہ یہ دونوں رائیں بالکل صحیح ہیں۔ اشعار پر اشعار پڑھتے چلے جائیے مشکل سے اور دیر میں کوئی ایسا شعر نکلے گا جو روح کو تڑپا دے یا قلب کو گرما دے انداز بیان میں بھی کوئی ایسی تہہ داری نہیں جو ذہن کو متوجہ یا متاثر کرے سیدھے سادے طریقہ پر کہتے چلے جاتے ہیں۔ البتہ روانی ان کے کلام میں خوب ہے اور ثقیل یا غریب لفظ اس طرح نہیں لاتے کہ ناگوار معلوم ہو۔ یعنی انکی پختہ گوئی میں شک نہیں کیا جا سکتا۔ مضامین بیشتر معاملہ بندی کے ہیں لیکن ایسے کہ انھیں ٹھنڈی سرگرمیاں کہہ سکتے ہیں۔ آزاد نے صحیح لکھا ہے کہ ان کے کلام میں پھیکے شربت کا مزہ آتا ہے۔ میری رائے میں ان کے ہر دو دیوان اسی خصوصیت کے حامل ہیں۔

جیسا کہ ان کے عہد کے تمام تذکرہ نویسوں[1] نے لکھا ہے انھیں اپنی شاعری پر گھمنڈ بہت تھا۔ یہ اپنے آپ کو میر و سودا سے کمتر نہیں سمجھتے تھے۔ جگہ جگہ

[1] ۔ میر حسن، مصحفی، احمد علی یکتا۔ ناصر (صاحب خوش معرکۂ زیبا)

انھوں نے اِن اُستادوں کی غزلوں پر غزلیں، قصیدوں پر قصیدے اور دیگر نظمیں از قسم ہجویات یا شہر آشوب وغیرہ لکھی ہیں اور اپنے آپ کو ہم پلہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ ایک غزل کے مقطعے میں یوں لکھتے ہیں:

قائم و سودا، درد و یقیں تیران کی غزل ہو خوب ولے
تو نے حسرت اپنی غزل میں سچ کہ بڑا ہی کام کیا

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ان بزرگوں کے معراجِ تخیل تک نہیں پہنچ سکتے۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ یہ ایک قادر الکلام شاعر ہیں اور معاملہ بندی کے سلسلے میں انھیں مومن و جرأت کا پیش رو کہا جا سکتا ہے۔ ذیل میں ان کی غزلوں سے چند منتخب اشعار اور ایک غزل نمونۃً درج کی جاتی ہے۔

تیرا تو تب اعتبار کیجے   جب ہووے کچھ اعتبار اپنا

مجھے ٹک سانس بھی یہ درد و غم لینے نہیں دیتا
عجب کچھ درد ہے دل میں کہ دم لینے نہیں دیتا

بھولتا ہی نہیں وہ دل سے اُسے   ہم نے سو سو طرح بھلا دیکھا

بہاریں بھول گئیں پر یاد ہے اتنا کہ گلشن میں
گریباں چاک کرنے کا بھی اک ہنگام آیا تھا

کوڑیوں کے مول بیچا مصر میں تو نے فلک   ہائے اس یوسف کو جو تھا سارے کنعاں کی بہا

تری فرقت میں ہے شام و سحر مجھ کو عجب مشکل
جو شب کاٹی تو دن مشکل، جو دن کاٹا تو شب مشکل

گردشِ چشم نے ساقی کے چھکایا ہے ہمیں
کچھ نہیں ہم کو رہا گردشِ ایام سے کام

تجھ سے کیا کہیے درد دل لیکن   نہیں رہتی زبان کیا کیجے

تمھیں غیروں سے کم فرصت ہم اپنے غم سے کم خالی
چلو بس ہو چکا ملنا، نہ تم خالی، نہ ہم خالی

کس کا ہے جگر جس پہ یہ بیداد کرو گے
لو دل تمھیں ہم دیتے ہیں کیا یاد کرو گے

پوچھ فرگاں سے دل افگار ہوں کن کا، ان کا
خستہ و زخمی و سرشار ہوں کن کا، ان کا

نقص جاں دید میں خوباں کے سراسر ہیں لے
اس پہ بھی طالب دیدار ہوں کن کا، ان کا

ہاں تو کیا حشر کے بازار میں پیارے یہ کہوں
خوبرویوں میں خریدار ہوں کن کا، ان کا

گر کریں مجھ پہ بتاں ظلم تو توبہ نہ کروں
دین داروں میں گنہگار ہوں کن کا، ان کا

عشوہ و ناز تو فتنہ ہے پر آنکھیں ہیں غضب
مجھ سے پوچھو تو میں بیمار ہوں کن کا، ان کا

حسرت آئے تھے یہ خونخوار جو تلوار لیے
مبتلا ان دنوں لے یار ہوں کن کا، ان کا

کن کا بسمل ہوں انھیں کے مژۂ خونی کا
کشتۂ ابروئے خمدار ہوں کن کا، ان کا

لیکن یہاں حسرت کی غزل گوئی کے بجائے ان کی مثنوی طوطی نامہ کا ذکر کرنا دراصل مقصود ہے۔ یہ طویل مثنوی عموماً کلیات حسرت کے نسخوں میں نہیں ملتی۔ رفاہ عام کلب لکھنؤ کے جلسۂ تہذیب کی لائبریری میں کلیات حسرت کا خوش خط نسخہ موجود ہے اس میں یہ پائی گئی۔ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، کلکتہ کی لائبریری میں بھی (نمبر ۱۰) مثنوی طوطی نامہ کا ایک نسخہ دریافت ہوا وہ بھی مقابلہ کے لئے منگوا لیا گیا ہے اور اس وقت پیش نظر ہے۔[۱]

اگرچہ اس مثنوی طوطی نامہ کا سال اختتام دریافت نہیں ہو سکا لیکن

---

[۱] یہ نسخہ دراصل فورٹ ولیم کالج کی ملکیت رہ چکا ہے سال کتابت ۹ ربیع الثانی ۱۲۶۹ھ ہے لیکن یہ نسخہ بہت بدخط ہے۔ برخلاف اس کے جلسۂ تہذیب والا نسخہ خط شفیعا میں بہت صاف لکھا ہے سال کتابت ۱۲۲۳ھ ہے۔ حسرت کی مثنوی کی طرح ہر نسخہ پر عنوانات بھی درج ہیں یہ بات کلکتہ والے نسخہ میں نہیں ہے۔ ہندی کے دوہرے بھی اس نسخہ میں دو چار زائد ہیں (ہاشمی)

قرائن یہ بتاتے ہیں کہ یہ مثنوی میر حسن کی مشہور مثنوی سحر البیان (سال اختتام ۱۱۹۹ھ) کے فوراً بعد لکھی گئی ہوگی۔ حسرت میں خود اُپج کی کمی تھی۔ البتہ وہ مشہور غزلیات اور قصائد کی نقل کرنے پر فوراً تیار رہتے تھے۔ اس لئے قیاس یہ کہتا ہو کہ سحر البیان کی تعریف اور شہرت سُن کر انھوں نے فوراً یہ مثنوی تیار کر ڈالی ہوگی۔ پُرگو، اور قادر الکلام شاعر تو تھے ہی اُنھیں اس کے تکملہ میں کوئی دشواری پیش نہ آئی ہوگی مثنوی کے آخر میں انھوں نے یہ لکھا ہے:

"سچ ہے جو کوئی کھینچے ہے آفت — اس کو ملتی ہے آخر اک راحت
میں بھی کھینچی ہو محنت۔ اے حسرت — کہے ہیں شعر کتنی کر محنت
داستاں کے تئیں کیا موزوں — خوب اس میں جگر کیا ہے خوں
شاعری اس میں گرچہ ہیں نہیں کی — کہ نہیں لگتی اب کسی کو بھلی
سہل سے شعر اس زمانے میں — آتے ہیں سُننے اور سُنانے میں
میں بھی سمجھا اسی میں خوش ہر دیس — ہے مثل جیسا دیس ویسا بھیس"

ان اشعار میں آسان زبان کی مقبولیت کا اشارہ میر حسن کی مثنوی کی زبان کی طرف قیاس کیا جا سکتا ہے۔ میر حسن یا مصحفی کے تذکروں[1] میں بھی اس مثنوی کا ذکر نہیں ملتا۔ اسی سے یہ خیال تقویت پاتا ہے کہ حسرت نے بعد میں یہ مثنوی لکھی ہوگی اور اسی لئے ان تذکروں میں اس کا ذکر نہ آسکا اور پھر یہ مشہور بھی نہ ہوئی اسلئے بعد کے تذکرہ نویسوں نے بھی اس کو مذکور نہیں کیا۔

اس مثنوی کے نام طوطی نامہ سے شبہہ ہوتا ہے کہ اس میں فارسی اور قدیم اردو کے طرز پر طوطی نامہ نظم کیا ہوگا[2]۔ قدیم طرز پر جو طوطی نامے لکھے گئے ہیں

---

[1] - (تذکرہ میر حسن ۹۲-۱۱۸۸ھ، تذکرۂ ہندی گویاں (۹-۱۲۰۱ھ)

[2] - سنسکرت میں ایک قدیم کتاب شکا سپتتی [illegible] طوطے کی کہی ہوئی تھی (باقی صفحہ ۱۰ پر)

ان میں عورتوں کی بے وفائیوں کے مختلف قصے ہیں۔ ان کا پلاٹ مختصراً یہ ہے کہ ایک نوجوان تاجرزادہ بازار سے ایک غیب داں طوطا خرید لاتا ہے۔ وہ طوطا مشورہ دیتا ہے کہ عنبر خرید لو کیونکہ عنقریب ایک قافلہ عنبر کی تلاش میں یہاں آئے گا چنانچہ وہ تاجرزادہ بہت سا عنبر خرید کر جمع کر لیتا ہے اور جب وہ قافلہ آیا تو اس کو عنبر کی فروخت سے بڑا فائدہ ہوا۔ تاجر اپنے طوطے سے بہت خوش ہوا اور اس کی رفاقت کے واسطے ایک مینا خرید دی۔ کچھ عرصہ بعد اس تاجرزادہ کی شادی ہوگئی اور شادی کے کچھ دنوں بعد وہ بغرض تجارت دوسرے ملکوں کے سفر پر چلا گیا۔ یہاں اس کی عورت نے بالاخانہ سے دیکھ کر ایک جوان مرد سے دل لگایا۔ اس مرد نے ایک کٹنی کو بھیجا۔ یہ راضی ہوگئی مگر شوہر کے طوطے سے پہلے مینا سے صلاح لی۔ مینا نے منع کیا۔ اس نے ناراض ہو کر مینا کو مار ڈالا۔ پھر اس نے طوطے کی صلاح لی۔ طوطے نے اجازت دے دی لیکن کہا کہ یہ راز اپنا کسی پر ظاہر نہ کرنا جیسا کہ فلاں رانی نے کیا تھا اور نقصان اٹھایا تھا۔ اس نے پوچھا کیوں کر؟ بس طوطے نے ایک لمبی داستان شروع کر دی یہانتک کہ صبح ہوگئی۔ روز اسی طرح شام سے صبح ہوتی رہی اور طوطا ہر شب ایک نیا

(بقیہ صفحہ ۷) جس میں بہتر کہانیاں ایک طوطے کی زبانی بیان ہوئی تھیں۔ ۷۳۰ھ میں اس کی باون کہانیوں کا ترجمہ ادق فارسی میں مولانا ضیاء الدین نخشبی نے کیا۔ ابوالفضل نے اکبر کی فرمائش پر اس کا سلیس فارسی میں خلاصہ کیا۔ ۱۰۰۹ھ میں ملا سید محمد قادری نے نخشبی کی باون کہانیوں میں سے پینتیس کا انتخاب کر کے شرفا کی روزمرہ فارسی میں خلاصہ کیا۔ یہ سب خلاصے اور ترجمے طوطی نامہ کے نام سے مشہور ہیں۔ ۱۰۴۹ھ میں غواصی نے طوطی نامہ قدیم دکھنی اردو میں نخشبی کہانیوں میں سے ۴۵ کہانیاں منتخب کر کے منظوم کیں اور پھر ۱۲۱۶ھ سید حیدر بخش حیدری نے ملا محمد قادری کے طوطی نامہ کا ترجمہ طوطا کہانی کے نام سے گلکرائسٹ کی فرمائش پر کیا۔

(تفصیل کیلئے دیکھیے مقدمہ مثنوی طوطی نامہ غواصی مرتبہ میر سعادت علی رضوی صفحہ ۳۲-۳۰ مطبوعہ ۶۳ء)

قصہ سُنا رہا تھا کہ تاجرزادہ سفر سے واپس آگیا۔ اس نے آکر مینا کو پوچھا۔ طوطے نے بشرطِ رہائی سب حال کہہ سُنایا۔ تاجرزادہ نے طوطے کو آزاد کر دیا۔ بیوی کو مار ڈالا اور گوشہ نشینی اختیار کر لی۔

لیکن حسرت کی اس مثنوی طوطی نامہ میں اس قسم کا کوئی قصہ نہیں ہے بلکہ ایک جداگانہ قسم کا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شمالی ہند میں ایک راجہ ہے جس کا نام آنند ہے۔ اس کے ایک بیٹا طوطی نامی ہے جو تیرہ چودہ برس کے سن کا ہے اور ایک اُستاد رام چند کے زیرِ تعلیم ہے۔ ایک برہمن انوپ نامی دکھن کی طرف بھیلوں کے ملک میں جاتا ہے اور وہاں سے بھیلوں کے راجہ کی بیٹی شکر پارا کی تصویر کھینچ لاتا ہے۔ یہ تصویر دیکھ کر شاہزادہ طوطی اپنی سُدھ بُدھ کھو بیٹھتا ہے اور پڑھنے میں مطلق جی نہیں لگاتا۔ اُستاد رام چند اس کی حالت کو تاڑ جاتا ہے اور بلطائف الحیل اس سے اصل ماجرا پوچھ لیتا ہے۔ اور جب معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ بھیلوں کی شاہزادی پر عاشق ہے تو رام چند اسکے باپ راجہ آنند کے پاس جاتا ہے اور اسے مشورہ دیتا ہے کہ شکر پارا کا پیغام دیجئے۔ اس طرح آپ کی حکومت اُتر سے دکھن تک پھیل جائے گی۔ راجہ یہ مشورہ قبول کر لیتا ہے اور اُسی برہمن انوپ کو پیغام دے کر بھیلوں کے ملک کو روانہ کرتا ہے۔ بھیلوں کا راجہ دھنی اس پیغام پر برافروختہ ہو جاتا ہے اور انوپ کو قید کر لیتا ہے لیکن اپنے وزیر بدھی سنگھ کے کہنے پر انوپ کو رہا کر دیتا ہے مگر راجہ آنند کے خط کے جواب میں تیر و کمان روانہ کرتا ہے۔ انوپ اس عرصہ میں وزیرزادی اور شکر پارا کی سہیلی آمرت پر عاشق ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی شہزادہ طوطی کی ایک تصویر بنا کر شکر پارا کو پیش کرتا ہے اور اس کا پیغام عشق بھی پہنچا دیتا ہے۔ تصویر دیکھ کر شکر پارا بھی طوطی پر فریفتہ ہو جاتی ہے۔

جب انوتپ راجہ آنند کے پاس واپس ہو کر بھیلوں کے راجہ کا جواب (تیر و کمان) پہنچاتا ہے تو راجہ آنند فوراً لشکر کو تیاری کا حکم دیتا ہے اور بھیلوں کے ملک پر حملہ کر دیتا ہے۔ لڑائی ہوتی رہتی ہے بالآخر شکر پارا کی مخبری سے راجہ آنند فتحیاب ہوتا ہے اور راجہ دھنی کو اپنی بیٹی دینے پر مجبور کرتا ہے۔ راجہ دھنی اس شادی کے لئے اس شرط پر راضی ہو جاتا ہے کہ شہزادہ طوطی وہیں قیام کرے۔ راجہ آنند اسے منظور کر لیتا ہے چنانچہ طوطی کی شادی شکر پارا کے ساتھ اور انوتپ برہمن کی شادی امرت کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ راجہ آنند واپس آتا ہے لیکن راجہ دھنی وہاں طوطی کو شکر پارا سے بلطائف الحیل الگ رکھتا ہے اور موقع پا کر سوتے میں اسے قتل کرا دیتا ہے۔ شکر پارا اس کی لاش کو ایک صندوق میں محفوظ رکھتی ہے کیونکہ وہ جانتی تھی کہ طوطی کا پلٹ کا ہنر جانتا ہے ممکن ہے کہ اس کی روح کسی مُردہ جانور کے قالب میں چلی گئی ہو اور وہ پھر واپس آ جائے۔ اتفاقاً ایسا ہی ہوتا ہے۔ ایک طوطا روز شکر پارا کے باغ میں آنے لگتا ہے اور اس کو ایک کہانی سُنانے لگتا ہے۔ شکر پارا کو وہ کہانی آپ بیتی معلوم ہوتی ہے۔ کئی دن کے بعد یہ ہوتا ہے کہ وہ طوطا اپنے مُردہ قالب میں واپس آتا ہے اور طوطی پھر زندہ ہو جاتا ہے۔ اب طوطی اور شکر پارا وہاں سے فوراً بھاگ نکلتے ہیں۔ لیکن راستے میں جب یہ دونوں تھکے ماندے ایک جگہ آرام کرتے ہوتے ہیں جادوگروں کا ایک بادشاہ ہرمز نامی اُدھر آنکلتا ہے اور شکر پارا کو اپنے طلسمی قلعہ میں اُٹھا لے جاتا ہے اب پھر طوطی کی پریشانیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ وہ مدتوں اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا ہے اور پھر ہزار خرابیوں کے بعد اپنے اُستاد رام چندلی کی مدد سے ہرمز کے طلسم کو فتح کر لیتا ہے۔ شکر پارا اور طوطی اپنے وطن واپس آ جاتے ہیں۔ ہرمز

مارا جاتا ہے اور اس کی بہن لال سے استاد رام چند کی شادی ہو جاتی ہے۔

مثنوی کے اس خلاصے سے یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ یہ مثنوی بلحاظ قصہ اپنی ہم نام مثنویوں سے بالکل مختلف ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حسرت نے اس داستان کو بائیس تیئیس سو اشعار میں موزوں کرنے میں محنت ضرور اٹھائی ہوگی اور بقول خود اس میں سہل اشعار لکھنے کی کوشش بلیغ کی ہے لیکن سہل بحر ضروری نہیں کہ رواں بھی ہو۔ میر حسن نے دو سہل بحر اختیار کی جو روانی بھی رکھتی تھی (یعنی بحر متقارب مثمن مقصور) برخلاف اس کے حسرت نے بحر خفیف مسدس مخبون و مقصور استعمال کی جس میں اتنی روانی نہ آسکتی تھی۔ مزید برآں سہل اور سادہ اشعار میں بھی خوبی و خوشنمائی پیدا کی جا سکتی تھی۔ میر حسن نے تو ایک عمر اسی میں صرف کی تھی کہ ان کی مثنوی سحر البیان کے اشعار آبدار ہو جائیں لیکن حسرت نے اس مثنوی میں ایک داستان کو صرف موزوں کر دیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی زبان پر نظر ثانی بھی نہیں کی۔ اسی لئے زبان و بیان میں وہ خوبی و خوشنمائی پیدا نہ ہو سکی جو میر حسن کے وہاں پائی جاتی ہے کہیں کہیں تو محض زبردستی قافیہ لائے ہیں مثلاً:-

عطر میں ڈوبی ہوئی وہ سرتا پا ہاتھ پھولوں کی پنکھیا بہ ادا

تیغ سونڈوں میں اور فیل سیاہ جوں گھٹا کالی میں ہو بجلی آہ

چولی کی اور پائجامہ کی اک سیر پاؤں پر کفش زر کی بس اور خیر

سست بندشیں اور بھونڈی آورد کی مثالیں بھی اس مثنوی میں کثرت سے ملیں گی۔ اس کے علاوہ قصہ اگرچہ ہندو معاشرہ کا ہے لیکن جگہ جگہ اس میں ہندی اسلامی تہذیب کی چھاپ ہے۔ خود شاہزادہ طوطی مکتب میں علم جوگ اور کایا پلٹ کے علاوہ عربی، فارسی، صرف و نحو، منطق اور معانی

کی تعلیم حاصل کرتا ہے۔ رام چند، اُستاد طوطی کے پاس طلسمات فتح کرنے کی ایک انگوٹھی ہے وہ حضرت سلیمان کی ہے وغیرہ۔ مثنوی کے کردار بھی موقع بے موقع فارسی کے اشعار پڑھ دیتے ہیں۔ بعض مقامات پر تو یہ اسلامی اثر بہت بے تُکا معلوم ہوتا ہے مثلاً ایک موقع پر رت جگا منایا جا رہا ہے جتنی عورتیں اسے منا رہی ہیں وہ سب ہندو ہیں لیکن جو گفتگو اس موقع پر کرتی ہیں اس میں ایک شعر یہ بھی ہے :

ایک بولی کہ میرے اللہ میاں گئی واری میں تیرے اللہ میاں

غرض رعایتِ لفظی، عدم بلاغت، نثر گربگی بندشوں کی سستی اور قافیوں کے التزام میں لاپروائی کی مثالیں اس مثنوی میں جگہ جگہ ملیں گی اور اس کی وجہ غالباً یہی ہے کہ حسرت نے اس پر نظرثانی نہیں کی اور اس لئے زبان و بیان کی خوبی کے سلسلے میں اس کی تعریف کسی طور پر نہیں کی جا سکتی۔ البتہ اس میں بعض ایسی چیزیں بھی ہیں جن کو سراہا جا سکتا ہے۔ مثلاً اس میں حسرت کے زمانے کے تمام رسوم ورواج، تمدن و تہذیب کا اچھا نقشہ آپ کو نظر آئے گا۔ اور اس ضمن میں اسے سحرالبیان کے مقابلے میں رکھا جا سکتا ہے۔ جادو، طلسم، ٹونے، ٹوٹکے، اچھے اور بُرے شگون پر عقیدہ، دیوؤں اور جنوں کی مافوق البشری قوت کے مظاہرے اس قسم کی چیزوں کی اس میں بھی کمی نہیں ہے۔ رزم و بزم کے جیتے جاگتے مفصل نقشے اس میں بھی مندرج ہیں اس کے کرداروں میں طوطی، شکر پارا، امرت اور لال جان وار چلتے پھرتے انسان نظر آئیں گے۔ یہ سب باتیں اس مثنوی میں یقیناً آپ کو لائق ستائش معلوم ہوں گی۔ چند مثالیں اس قبیل کی نمونۃً پیش کی جاتی ہیں :-

۱

برہمن اور تب طوطی کا پیغام لے کر بھیلوں کے راجہ کے وہاں جاتا ہے

تو بعد رہائی اس کی ضیافت میں اثر بڑا اہتمام کرتی ہے جس کی تفصیل کے چند اشعار یہ ہیں:-

بادۂ لعل اور جام بلور ۔۔۔ ماہ میں پُر ہوا تھا مہر کا نور
پاندان عطردان اور چنگیر ۔۔۔ اسمیں عطر اسمیں پان پھولوں کا ڈھیر
چینی کے زرنگار باسن سب ۔۔۔ چوگھڑے اور گلاب پاشیں عجب
سونے روپے کے ظرف میناکار ۔۔۔ سبزے میں ہو گلوں کی جیسے بہار
مسند اور تکیے مخملی زریں ۔۔۔ چھتیں اور پردے چاندنی قالین
پردے اور چلونیں بھی زرنگار نگ ۔۔۔ بچھا سونے کا اک جڑاؤ پلنگ
قدِ آدم تھے آئینے ہر جا ۔۔۔ جن کی رخساروں سے زیادہ صفا
آئینوں میں پری رُخوں کی بہار ۔۔۔ وہ جدا ایک ہور ہا گلزار
بادریشوں کی تھی یہ اُس میں پھبن ۔۔۔ جیسے سورج کی آئینہ میں کرن
شمع سبز اور شیشوں کے فانوس ۔۔۔ سرو کا عکس آب میں محسوس
جلوہ گر آب میں اِدھر مہتاب ۔۔۔ جلوہ افگن پری اُدھر لبِ آب

غرضکہ اس ضیافت کے بیان میں حسرت نے بڑی تفصیل سے کام لیا ہے اور بہت خوب لکھا ہے۔ اگرچہ اس کا احساس ضرور ہوتا ہے کہ ایک پیغامبر کے واسطے اس قدر اہتمام کی ضرورت نہ تھی۔ یہ اہتمام اگر شہزادہ طوطی کے لئے اُٹھا رکھا جاتا تو بہتر تھا۔ اس کے بعد جب طوطی بھیلوں کے ملک میں پہنچ گیا ہے اور اس کی شادی کا اہتمام کیا جارہا ہے تو بھی حسرت نے کوئی کسر شادی کے تمام انتظامات و رسومات بیان کرنے میں اُٹھا نہیں رکھی ہے خصوصاً خانہ باغ کی سجاوٹ میں تو بڑی گل کاریاں کی ہیں۔

زعفراں جب کھلے یہ ہووے بہار ۔۔۔ جیسے دولھن کرے ہے اپنا سنگار

بوے یوں اس طرح کی مولسری | کہ نہ تونی ہوا سکے بیچ ذری
رنگ ہر گل کا زعفرانی ہو | جس طرح سے نئی جوانی ہو
جعفری کی بہار ہو دن کو | شب کو بو دیوے خوب سی شب بو
لالہ کے گرد ہووے نافرماں | شعلہ پر جیسے دود ہو قرباں
موگرا اور چنبیلی اور رابیل | جنیں کلیوں کو مالنیں اٹکھیل
سرو اکڑتے ہوں جیسے بانکے جواں | آنکھیں نرگس کی ترنگیں حیراں
جس کا موسم نہ ہو وہ بر لائے | بے ثمر بھی یہاں ثمر لاوے

اس کے بعد شادی کی ہنگامہ آرائی یں تمام جزئیات بڑی خوبی سے بیان کی ہیں بلکہ اس موقع پر وہ میر حسن سے گوئے سبقت لے جاتے ہیں۔ یعنی اُن کی مثنوی میں شہزادہ بے نظیر اور شہزادی بدر منیر کی شادی کی دھوم دھام اس کے سامنے کم تر معلوم ہوتی ہے۔

شہزادی بدر منیر کی طرح اس مثنوی کی ہیروئن سشکر پارا بھی جب سوزِ فراق یار میں جلتی ہے تو اس کی حالت غیر ہو جاتی ہے۔ اس موقع پر حسرت نے اس طرح واقعہ نگاری کی ہے۔

بیٹھی زانوئے غم پہ سر کو جھکا | کسی نے کچھ جو پوچھا تو نہ کہا
اور کہا بھی تو آہ کچھ کا کچھ | کوئی کچھ سمجھا کوئی نہ سمجھا کچھ
آنسو آئے تو پی گئی چپکے | نیند آئی تو پڑ رہی چپکے
کھانا لائے تو اک نوالہ لیا | پانی لائے تو ایک گھونٹ پیا
پایا گوشہ کہیں تو پھر اک بار | رونا منہ یاد کر پکار پکار
کبھی جا بیٹھنا جو بر لب آب | کرنا رو رو کے اشک کا تالاب
باغ میں ہر طرف اداسی تھی | جس کو دیکھو تو بے حواسی تھی

کبھی فریاد آ کے کرتے مور   روتیں گہ آبشاریں کر کے شور
کبھی مثلِ صبا وہ اُٹھ پھرتی   کبھی فوارہ دیکھ اُٹھ گرتی
کبھی بکتی تھی جیسے دیوانے   آپ ہی آپ کہتی افسانے الخ

اسی طرح ہرمز کے طلسمی محل و قلعہ کا بیان اور پھر وہاں کے ایک حوض میں نکریارا کے غسل کی کیفیت کو بڑی تفصیل اور خوبی سے لکھا ہے۔ جگہ جگہ اپنے عہد کے مشہور ہندی دوہے بھی حسرت نے شامل کر دئے ہیں۔

میر حسن کی مثنوی سے اس مثنوی کا مقابلہ ایک دلچسپ مطالعہ ہوگا۔ لیکن بخوف طوالت اسے یہاں نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اگرچہ زبان و بیان کی خوبی میں تو کوئی اس کا مقابلہ نہیں لیکن اس عہد کی معاشرت کی تصویر کشی نیز مختلف قسم کی دقیقہ نگاری و جزئیات نگاری میں موازنہ کی صورت نکل سکتی ہے۔ بعض اوقات تو ایک آدھ شعر میں بھی مماثلت پیدا ہو گئی ہے۔ مثلاً بارات کے موقع پر ایک بات یہ بھی مشاہدہ میں آتی ہے کہ پان کے بیڑے اِدھر اُدھر بکھرے پڑے ہوتے ہیں۔ میر حسن نے اسے یوں لکھا ہے :-

وہ بیڑوں کے پتے پڑے ہر طرف   غم دل جسے دیکھ ہو بر طرف

حسرت لکھتے ہیں :

پان سے سرخرو تھی ساری برات   بیڑوں کے سبز فرش پہ پڑے پات

نکریارا کی حالت جب فراقِ طوطی میں زار ہو جاتی ہے تو اسے ہلاس نامی ایک طوائف غزلیں گا کر اسی طرح خوش کرنا چاہتی ہے جیسے عیش بانی مثنوی سحر البیان میں۔ غرضکہ یہ تقابلی مطالعہ دلچسپ ہوگا اگر دونوں مثنویوں کو سامنے رکھ کر تفصیل سے اس موضوع پر لکھا جائے۔

۹ / جولائی ۱۹۶۸ء   نور الحسن ہاشمی

مثنوی

طوطی نامہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یاالٰہی یہ عشق خانہ خراب — کس نے اُٹھا تھا یاں کسے تھی تاب
کہا ارض و سما کو بہتیرا — عشق سے پر سبھوں نے منھ پھیرا
دیکھا کیا بڑے حوصلہ تو نے — عشق آدم کو جو دیا تو نے
اپنا تو سب جلا ہو مغز اور پوست — ہاں اسے سمجھے تو کہ تیرا دوست
عشق تیرا حبیب پہچانے — یا اسے ذاتِ پنجتن جانے
قیس و فرہاد کا کہاں مقدور — کہ انھیں نار تھا اور ان کو نور
خلق سب اس کی آگ سے ہوئی داغ — روشن اس سے ہو مصطفا کا چراغ
نہیں آدم یہ احمدؐ اور محمود — یہاں محمدؐ کی ذات ہے مقصود
پنجتن متحد ہیں سب یکمشت — جیسے اک مُشت میں ہوں پنج انگشت
عشق بازی ہے کھیل اُنکے حضور — جن کا ادنیٰ غلام ہے منصور
جس کے سر پر دھریں یہ عشق کا تاج — دے کے سر لے وہ دار کی معراج
ہے تجلی کہیں، کہیں ہے نار — واسطے ہے خلیلؑ کے گلزار
عشق ابلیس کے لئے ہے جحیم — اور آدمؑ کی آل کو ہے نعیم
کسی کو خوب اور کسی کو زشت — کسی کو دوزخ اور کسی کو بہشت
جس کو اِس عشق میں ملا ہو ثبوت — فی الحقیقت ہو اس کی روح کا قوت
جسکو اس میں نہیں ہو پائے ثبات — عشق اُس کو عذاب ہے ہیہات
عاشق اس درد کو دوا سمجھے — بوالہوس عشق کو بلا سمجھے
جان و دل اِس سے گو جلے ہیں تمام — پر ہمیں عشق ہی میں ہے آرام

شعلہ گزرا پتنگ کے سر سے ‏ پوچھیے آگ کو سمندر سے
عشق کھینچے نہ ہر کسی پہ تیغ ‏ کھینچے اُس پر جو سر کرے نہ دریغ
عشق جس جا کرے ہو خوں ریزی ‏ بھولے پرویز اپنی پرویزی
شیریں اور کوہ کن کا افسانا ‏ لیلےٰ مجنوں کا قصہ بھی جانا
نل دمن کے بھی قصہ سے گذرا ‏ پڑھا سَو بار وامق و عذرا
سیر کی یوسف و زلیخا کی ‏ اور کہانی ہر ایک شیدا کی
جس جگہ عشق کی حکایت ہے ‏ اشکباری کی واں روایت ہے
داستاں عشق کے شہیدوں کی ‏ ہے حکایت ستم رسیدوں کی
عشق خونِ جگر رُلاتا ہے ‏ کُوہ اور دشت میں پھراتا ہے
عشق کی جس جگہ کہانی ہے ‏ اُس میں اک تازہ خونفشانی ہے
عاشقی جس کے سر پہ آن بنی ‏ جاں کنی ہے اُسے کہ کوہ کنی
پھر تو ایسا پہاڑ اُٹھاوے کون ‏ تیغ پر سر کو رکھ کے جا دے کون
عشق بازی سے الحذر بہتر ‏ دوستو اِس بلا سے ڈر بہتر
کان پر رستموں نے ہاتھ دھرے ‏ نام ہی سُن کے اس کا ہم تو ڈرے
کس کو میدانِ عشق کی ہے تاب ‏ شیر کا اِس جگہ ہو زہرہ آب
عشق اک درد و داغ اور غم ہے ‏ عشق اک آتشِ مجسّم ہے
عشق سے دُور بھاگیے بھائی ‏ یہ بناتا ہے سب کو سودائی
عشق سے سب کے ہیں گریباں چاک ‏ عشق سے سب اُڑائیں سر پہ خاک
گلُ و بلبل کا کہیے اب احوال ‏ سرو سے یا کہ قمریوں کا ملال
کہیے یا شمع اور پتنگ کا داغ ‏ یا کتاں اور مہ ہنوکیں کو دماغ
اب نئی اور داستاں کہیے ‏ روئیں سب بیٹھ کر جہاں کہیے

ہوئے پچھلے تو قِصّے افسانے تازہ کچھ کہیے تو کوئی جانے
رُو دیئے اور رُلائیے سب کو جو سُنا ہے سُنائیے سب کو

آغاز داستان

یعنی اک شوخ تھی شکر پارا جس کے قِصّے سے ہو جگر پارا
اس کے لب کا سخن غضب شیریں سَر سے لے پاؤں تک وہ سب شیریں
ایک شہزادہ سُن یہ افسانہ ہوا فرہاد وار دیوانہ
نام طوطی رکھے تھا وہ دِل جُو فال میں نِکلا یا نجوم کی رُو
کچھ یہ افسانے کا نہیں ہے نام کہتے ہیں ہندوؤں میں طوطا رام
کہا اُس نے غرض کہ طوطی کو ہے شکر پارہ پُر ضرور جو ہو
تس پہ شیریں تھے اُسکے سب حرکات ہاتھ آوے تو ہے یہ حَبِّ نبات
نام سُن کر ہوا وہ بس انگار دیکھتا تو نہ جیتا پھر زِنہار
ہائے رے حسن و عشق کی تاثیر جس کے بسمل سبھی ہیں شاہ و فقیر

ذِکرِ مکتب

سبق عشق جوں ہی اُس نے پڑھا پڑھنا لکھنا تمام بھول گیا
عشق نے اُس کی بند کی رفتار بھول طوطی کو اپنی سب گفتار
عشق کے غم سے رُوتے ہی رُوتے ہائے طوطی کے اُڑ گئے طوطے
بُولے کیا اُس پہ کس کا زُور چلے غم نے طوطی کے خوب ہونٹ ملے
تھی تصوّر میں صورتِ جاناں طوطی آئینہ سال رہا حیراں
جا کے مکتب میں کیا پڑھے پوتھی ہو گئی پوتھی اُس کی سب تھوتھی

کھولے اُستاد نے پُران اور بید — پر کھلا کچھ نہ اُس پہ اُس کا بھید
وہ پڑھائے "الف" کہے یہ "بے" — پھر سبق کیا دیے وہ، یہ کیونکر لے
جب وہ کرتا "الف" کی کچھ تکرار — یاد آتا تھا اُس کو قامتِ یار
ابروئے یار کو وہ سمجھے "بے" — اور معلم اُسے کہے "بے تے"
"ث" کو کہتا وہ "سین"، "سین" کو "شین" — حلقۂ "جیم" وار "خم" بہ زمیں
لب و دنداں وہ دیکھے تھا اُستاد — "ث" کی اور "سین" کی نہ تھی کچھ یاد
غم سے اُستاد کا بھی قد تھا "دال" — کیا پڑھائے وہ اسکو "دال" اور "ذال"
نقطے اور خال میں کرے تفریق — "خ" کو اور "خ" کو تب کرے تحقیق
تھی نظر میں ہر اک مژہ جوں "را" — "صاد" کی شکل چشم رکھتا "را"
چشم میں قامتِ "الف" جب ہوئے — تب وہ سمجھے کہ بس یہی ہے "طوئے"
لیک سمجھے ہے چشمِ یار کو "عین" — خال اُس پر ہو تو وہ جانے "غین"
شکل "ف" دیکھ دیکھ رووے ہے — یہی کہتا ہے یار سُودے ہے
بکے اُستاد گو کہ "لام" اور "کاف" — وہ کہے مجھ پہ تو پہاڑ ہے "قاف"
اُس دہان و کمر کو سمجھے "میم" — یہی مضموں ہے عاشقوں کا قدیم
حلقۂ زلفِ یار سمجھے "نون" — "واؤ" حرفِ میان لفظ زبوں
"ہائے" "و" "یا" کھینچ آہ جب کی ولے — کچھ نہ مفہوم ہو مگر اک ہائے
آہِ پنہاں جو دل سے گاہ کرے — ساتھ اُستاد اُس کے آہ کرے
اُس کو طوطی کا خط ہی ریحاں تھا — اور رُخ اس کا اک گلستاں تھا
طوطی نے باغ سبز دکھلا کر — کیا اُستاد کے تئیں ششدر
بلبل اُس بوستاں کا تھا اُستاد — آ، خزاں نے جو دی مبارکباد
دیکھ اُس کے چہرہ کی بدحالی — بولا حیف اپنی بے پر و بالی

صبر چھوٹا وہ بے قرار ہوا
راز اُستاد آشکارا ہوا

جی سے دیتا تھا درس آزادی
غم نے کی اُس پہ اپنی اُستادی

لگا کہنے وہ بھول علم و ادب
کاہے میں قرباں کہوں ہوں تجھ سے اب

ایک مدت سے تجھ پہ تھا مفتوں
اب ترے غم نے کر دیا محزوں

میں ترا تیرِ عشق کھایا ہے
تو نے اب دل کہاں لگایا ہے

ہیں گواہ اب یہ تیری حالت کے
کہ زباں پر ہیں شعر حسرت کے

آہ و نالہ سے سینہ جلتا ہے
آہ! کیوں دم نہیں نکلتا ہے

بدیا جتنی تھی سکھائی تجھے
حیف پر کچھ نہ یاد آئی تجھے

میں تجھے علم جوگ سکھلایا
اور کایا پلٹ کو بتلایا

سیانا ہو کر بنا تو دیوانا
کیا کرے تو کہ میں بھی تھا سیانا

تو بھی عاشق ہے میں بھی کھائی ہے تیغ
مجھ سے اظہار حال رکھ نہ دریغ

ایک ہی عشق کے ہیں دونوں غلام
میں ترے کام آؤں تو مرے کام

من و تو ہر دو خواجہ تاشانیم
بندۂ بارگاہِ سلطانیم

نام سن پائے اُس کا گر یہ حقیر
تو بھلا وصل کی کرے تدبیر

مجھ کو بتلا وہ ماہ کیسا ہے
تجھ سے بہتر کہ تیرے جیسا ہے

تو، تو آپ ہی ہے نوگلِ گلزار
نالہ زن کیوں ہوا ہے بلبل وار

ماہ اور مہر تیرے منھ سے خجل
کیوں دیا تو نے ہائے اپنا دل

تو نے دیکھا ہے یا نہیں اُس کو
دل دیا سن کے یا کہیں اُس کو

غرض اُستاد کا جو بھولا ڈر
تب کہا اُس نے قصہ سب یکسر

کہ برہمن انوپ جس کا ہے نام
گیا تھا ملکِ بھیل لے کچھ کام

واں کے راجا کی ایک ہے دختر
بعد اک ماہ کے وہ نیک اختر

نیر کو گھر سے اک نکلتی ہے　　تال کو شکلِ آب چلتی ہے
خلق عالم کے تئیں دکھاتی جمال　　عید کا جس طرح سے نکلے ہلال
آب تالاب کا یہ کچھ شفاف　　دیکھے منھ آئینہ میں جوں کوئی صاف
جو کوئی جا کے بیٹھے اُس کے پاس　　دیکھے وہ ایک تختۂ الماس
پھولے اُس میں کنول ہزار ہزار　　ہر طرف سیر چاندنی کی بہار
دست راست اک بھوانی کا دہرا　　اُس پہ سونے کے پھول کا سہرا
گنبد اُس کا سپید جوں موتی　　آب گوہر بھی صدقے واں ہوتی
آسماں اُس پہ ہووے بت قرباں　　رکھے نام خدا وہ ایسی شان
تھی بھوانی کی اُس میں اک مورت　　کہ نقط تھی خدا کی ہی قدرت
دست چپ اُس کے اک بڑا سا نہال　　اُس میں رکھا تھا ایک جھولا ڈال
دے تلک اور نہا کے وہ مہ رو　　چلی چندن لگا کے پوجا کو
بت یہ بولا کہ یہ بھوانی ہے　　مجھ سے بے جاں کی زندگانی ہے
یوں چمکتا تھا غسل سے وہ بدن　　جس طرح آئینہ میں مہ کی کرن
قشقہ صندل کا بیچ میں سیندور　　بر سے ماتھے پہ جس سے نور پہ نور
پھیر پوجا سے جب فراغت کی　　اُس نے برپا نئی قیامت کی
چلی ایسی ادا سے وہ کافر　　کہ پری، حور دیکھیں سب پھر کر
بیٹھی جھولے پہ پینگ لیتی تھی　　جھونٹے ایک جور دیتی تھی
پینگ جاتے تھے جب تہ و بالا　　تہ و بالا تھا عالم بالا
جب برہمن کو وہ نظر آئی　　کہا شکتی دے ہیں دکھلائی
دیکھا جس وقت جلوۂ دیدار　　پھر برہمن کہاں، کہاں زنار
ریشمی دھوتی کی بندھی گاتی　　جھنڈ مارے نکالے ہوئے چھاتی

جھرمٹ اُس پر کیے ہوئے سکھیاں   جوں ستاروں میں ہو مہِ تاباں
پاس جا غور سے کی اُس نے نگاہ   ہاتھ میں کنٹھا دیکھا کھینچی آہ
غش ہوا، پھر اُٹھا تو برلبِ آب   جلوہ گر اُس نے دیکھا اک مہتاب
لیک دیکھا جو خوب کرکے خیال   ہاتھ میں ماہ کے ہے ایک ہلال
اس سمیں کی پھر اُس نے اک تصویر   کھینچی آگے یہ جس کی ہے تقریر
پہلے تو کھینچی اُس نے سر کی نمود   گنبدِ چرخ جس سے سر بہ سجود
کھلے بالوں میں پھیر پیشانی   کھینچا یوں دس کا چاند نورانی
سکھیاں سب اُسکے پاس جوڑے بند   رکھیں عیار جوں لپیٹ کمند
لٹیں زلفوں کی کھینچیں دھواں دھار   کال دیکھ اُن کو جو رہے من مار
بوندیں پانی کی بالوں میں کھیے تو   چمکے بدل میں جس طرح جگنو
اک دھنک پاس اور بھوؤں پر دو   تین لوک اس سے جو کہ گھایل ہو
کر تھا ابرو کا ایک چلہ یا دو   کیا تیغ نگہ نے اُس کو دو
کھینچی اُس نے جو خنجرِ مژگاں   ہوا ارجن کا دو اُسی دم باں
مرگ سے نین اُس کے متوالے   بس بھرے خونی لال اور کالے
سُرخ لب، سبز رنگ، رُخ کا بناؤ   جوں زمرد کا لعل پہ ہو جڑاؤ
رنگ نیلم کی شکل سے دمکے   گال پہ داغ ایک تل چمکے۔
دانت موتی سے اور چبائے پان   موتی اور لعل کی تھی اک جا کان
مُسکرانے پہ جو لگائے تاک   دیکھا تو جس طرح انار ہو چاک
جب سے دیکھا کہ وہ دہان ہے تنگ   ہستی میں اور عدم میں تب سے ہے جنگ
کان کچھ برگِ گل سے ہونگے درست   یدِ بیضا کی تھی وہ ناک انگشت
نرم نرم اُس کے دیکھ زمزمۂ گوش   سیوتی اور نسترن کے جاتے ہوش

ٹھوڑی پر ہاتھ رکھ جو بیٹھی ہے | گویا ٹھوڑی ہی سیب کو ہی ہے
گردن ایسی ادا سے اپنی جھکائے | کوئی شیشے سے جوں شراب پلائے
سینہ اک حسن کا ہے گنجینہ | کچیں ابھریں صفا بھرا سینہ
نکل آئے ہیں اس میں دو جو حباب | آئینے کی بڑھائی اور ہی آب
وہ شکر پارا آپ ہی بارے | رکھے چھاتی میں دو شکر پارے
بازو اور ساعد اور اس کا ہاتھ | گو مصور تو کھینچ لایا ساتھ
پر جدا سب کی خوش ادائی ہے | پنجہ قاتل، غضب کلائی ہے
عاشقوں کا ہے وہ گریباں گیر | یہ نہ کچھ قتل میں کرے تاخیر
پنجۂ مہر کو کرے وہ مات | یہ پری سے زیادہ خوش حرکات
لال مہندی سے ہاتھ اور ناخن | پور پور انگلیوں کی لیں رکھیں گن
جب کمر پر رکھے وہ اپنا ہاتھ | کھاوے دو ہیں لچک پھر اس کے ساتھ
کچھ نہ معلوم ہو کمر اور پیٹ | فقط اک ناگنی کی اس میں لپیٹ
وہ کمر بات بات میں بل کھائے | شکل وہم و خیال کی دکھلائے
کہے نافہ سے مشک کے وہ ناف | کہہ تو مجھ سا ہے تیرا دیدہ صاف
اس شکر پارا کے تھے ایسے سُرین | کوزے مصری کے جس طرح شیریں
پنڈلیاں یوں چمکتیاں اور صاف | جھاڑ بلور کے ہوں جوں شفاف
کہہ چکا وصف ساق میں کب کا | زانو میں منھ دکھائی دے سب کا
دیکھے اس سرو کے ہیں جب پاؤں | ڈھونڈھتے ہیں لوگ سب قدم کی چھاؤں
پاؤں ننگے ہیں پر نہیں اچرج | مہر عریاں ہی خوب رکھتے ہے سج
بول اور چال میں اگرچہ گنوار | پر سنا تم نے ہو گا گن کے یار
کبت اور دوہرے تو ماں اوپر | گت ستیا ہاتھ میں اور اس پہ نظر

ایک دُہرہ مجھے ہے واں کا یاد — جس کو سُن سُن کریں ہیں سب فریاد

دوہرہ:-
ساجن کا گھر دُور ہے جیسے پیڈ کھجور
چڑھوں تو چاکھوں پیم رس گروں تو چکنا چور

تسلی دادن رام چند استاد طوطی را و دعوت شدن او از راجہ اندر برائے شادی طوطی

ساقی کرتا ہے چرخ پردہ دری — شیشہ میں ٹک دکھاوے رقص پری
جام لا، جو میں دل کو بہلاؤں — بازیٔ چرخ سے اماں پاؤں
آتشیں آب سے دماغ ہو گرم — جلد دل سے اٹھاؤں پردۂ شرم
بارے اس داستاں کو گرم کروں — ننگ و ناموس سے نہ شرم کروں
یاں سے راوی نے لب کو یوں کھولا — کہ وہ طوطی سخن یہ اُٹھ بولا
غرض اُستاد واں سے آیا انوپ — اور تصویر کھینچ لایا انوپ
دیکھ تصویر کو وہ روتا تھا — رکھ کے چھاتی پہ اپنی سوتا تھا
کبھی کہتا میں کیونکے پھر جاؤں — کبھی کہتا اُسے کہاں پاؤں
کبھی کہتا کہاں ہیں میرے نصیب — کہ مرے ہاتھ آئے ایسا حبیب
کہ وہ صحرا میں اس کی بود و باش — شہر میں میں کروں کہاں سے تلاش
قلب جاگہ میں بھیل کا ہے مقام — دُشمنوں کا وہاں ہو کام تمام
پھر شکار بارہ شاہزادی ہے — مجھ بھکاری کو نامرادی ہے
کس طرح آہ مجھ سے ہو خویشی — اُس کو شاہی ہے مجھ کو درویشی
کاش واں سے نہ کوچ میں کرتا — اُس کے قدموں تلے ہی میں مرتا
یہ صدا میرے کان میں پہنچی — سُن کے میرا نکل گیا بس جی
اُس کے میں جاکے ہاتھ پاؤں پڑا — دیکھی تصویر ماجرا پوچھا

تب سے تصویر بن گیا ہوں میں   سخت حیران ہو رہا ہوں میں
اب کروں کیونکر اپنا دل خورسند   کس طرح اُس سے ہو مرا پیوند
یہی کہتا ہوں طوطی کا ہر آں   ہے جگر پارہ قوّت و قوتِ جاں
عشق بازی سے میں نہیں آگاہ   پر مجھے مارتی ہے اُس کی چاہ
مجھکو زنہار کچھ نہیں معلوم   عشق کیا؟ کس لئے ہوں میں مغموم
نالہ ہر بات میں نکلتا ہے   آہ! کیا ہے کہ سینہ جلتا ہے
اشک بے اختیار بہتے ہیں   لوگ جو چاہتے ہیں کہتے ہیں
حال طوطی کا جائے رقّت ہے   نوجوانی نئی مصیبت ہے
سُن کے بولا وہ رام چند اُستاد   کہ خموش اب نکال مت فریاد
تو ہے صاحب خرد ذرا رکھ ہوش   چُپ کہ دیوار بھی رکھے ہے گوش
کوئی ایسا نہ ہو کہ سُن پاوے   نہ کہی بات ہاتھ سے جاوے
میں بہ دل تیرے کام آؤں گا   جو بنے بات سو بناؤں گا
دیکھ اُس نے غرض کچھ اپنا شگوں   اور کچھ دل میں باندھ کر مضموں
گیا خلوت میں شب کو راجہ پاس   اور کہا جمع کر کے اپنے حواس
شاہ دورِ فلک غلام ترا   رام جی دیویں دل کا کام ترا
دکھن، اُتر میں سب ہے تیرا داج   ہفت اقلیم دیوے تجکو خراج
سارے عالم پہ ہو ترا سایہ   اور کریں تجھ پہ دیوتا سایہ
شاہزادے کا سن ہے چودہ برس   اِس دُعا گو کے دل میں ہے یہ ہوس
سال یہ نیک خوب بے شک ہے   اس میں شادی بڑی مبارک ہے
طوطی؛ لہن جو بیاہ لاوے گا   مُلک اک اور ہاتھ آوے گا
خیر خواہی سے عرض کرتا ہوں   آگے شہ کے غضب سے ڈرتا ہوں

کہی راجہ انند نے یہ بات | کس طرف چلیے لیکے اُسکی برات
جوگنے کا پھر اس نے کرکے دھیان | کہا اک سمت کو ہے نیک قران
بھیل کے ملک جو کوئی جاوے | دختر اور ملک اُس کے ہاتھ آوے
کہا شہ نے وہ کون جانے ہے راہ | کون اُس ملک سے ہے خوب آگاہ
جلدی سے رام چند بول اُٹھا | ہے برہمن انوپ کا دیکھا
واں کا راجہ رکھے ہے اک دختر | وہ شکر پارا ہے پری پیکر
راجہ نے چوبدار کو بلوا | کہا جا کر انوپ کو لے آ
وہیں حاضر ہوا انوپ آکر | کہا حاضر ہوں رکھ کرم کی نظر
کہا شہ نے کہ ملک بھیل کا تو | کہہ تو آیا ہے سیر کرکے کبھو
چاہا اُس نے کہ کچھ کرے انکار | یاد آئی یہ بیت اُسے یک بار
راستی موجب رضائے خدا است | کس ندیدم کہ گم شد از رہ راست
دے دعا شہ کو اور کیا اظہار | رسم و آئین رکھے تھا جو وہ دیار
یاں بیاں اُس کا سب رکھے ہے طول | قدما آگئے ہو رہے گا معقول
غرض اُس وقت ٹھہری شہ کی یہ رائے | ایلچی ہو انوپ اور اودھر جائے
خلعت مہربانی اُس کو دیا | دے کے نامہ اُدھر روانا کیا
خوش ہوا وہ بھی واں کے جانے سے | یعنی دیکھے کبھی بہانے سے

نامۂ راجہ انند بسوئے راجہ دھنی

منشی نے نامہ کا لکھا مضموں | کہ پس از حمد قادر بیچوں
شاہ بھیلاں دھنی کو ہو معلوم | کہ یہ نامہ ہے شادی کا مرقوم
تم بھی اب پڑھ کے اس کو ہو خرسند | مہرباں تم پہ ہوں گے راجہ انند

اپنے دُردانۂ یگانہ کو — لعل کر شاہ کے جو خویشی دو
ہوتا آیا ہے خلق میں پیوند — لاؤ فرماں بجا تو سب ہے اسند
رکھیو پنہاں نہ تم شکر پارا — وصل طوطی سوا نہیں چارا
اور جو اس امر میں کروگے دریغ — لوگ آویں گے خوب سے تہ تیغ
دکھن، اُتر میں سب ہے اپنا راج — تم پہاڑی ہو تم سے لیں گے خراج
حرف حق بے شعور کہتا ہے — سخن راست تلخ ہوتا ہے
چاہیئے ایلچی بھرے غور سند — جو کہ خوش ہو ویں دیکھ راجہ اسند
نامہ لے کر ہوا انوپ رواں — کیا تیار سب رہیں ساماں
لے چلا جب انوپ نامۂ شاہ — طوطی آگے کھڑا تھا بر سر راہ
باغ باغ اس گھڑی ہو اُس نے کہا — کہ مرا بھی پیام لیتا جا
کہا اُس نے کہ تو ہے میرا رقیب — تھی شکر پارا پہلے میری حبیب
تو نے مجھ سے ہی دیکھ کر تصویر — چاہ اپنی سبھوں میں کی تشہیر
شاہ کے حکم سے ہوا لاچار — قاصدی کے لیے ہوا تیار
رشک آتا ہے اب کہ اپنا کام — چھوڑ کر دوں اُسے ترا پیغام
طوطی بولا کہ رام کی خاطر — سعی کر میرے کام کی خاطر
تو جو میرا پیام دیوے گا — مجھکو گویا کہ مول لیوے گا
میں نہایت غریب و بے کس ہوں — باپ کے قید میں ہوں بے بس ہوں
اُس نے جب عجز اپنا دکھلایا — اشک آنکھوں میں اُسکے بھر آیا
کہا لوں گا نہ اپنے کام کا نام — تو کہے گا سو دوں گا میں پیغام

پیغام دادن طوطی بجانب شکرپارا در اثنائے راہ انوپ ایلچی را بہ کمال عجز

ساقیا اب شراب جام کو بھر — کہ ہے طوطی سخن سرائی پر

ہم بھی سرخوش ہوں پی کے اک دو جام   بھیجے ہر دوست، دوست کو پیغام
وقت ہے اب کہ بیٹھیے نہ حزیں   پی کے مے کیجیے قصہ کو رنگیں
طوطی کہتا ہے یاں انوپ سے ہائے   کہ خدا خیر سے جو واں پہونچائے
نامہ دے کر دمنی کو شہ کا میاں   داؤں مل جائے پھر جو تجھکو وہاں
یار سے میرا حال جا کہیو   جو کہ گزرا ہے ماجرا کہیو
کہ تری پہونچی مجھ تلک تصویر   دیکھ ہر عضو کا ہوا ہوں اسیر
تجھ کو لازم ہے شکل دکھلانی   کہ مجھے رات دن ہے حیرانی
شاہی شہزادگی سے کچھ نہیں کام   جان ہوں جان و دل سے تیرا غلام
شاہ تو اور غلام میں تیرا   چاہیے فکر تجھ کو اب میرا
مجھ کو دعویٰ برابری کا نہیں   سر مرا تیرے آستاں کی زمیں
میں گدا تیرے در کا اور تو شاہ   لیکن اُس در سے دور ہوں صد آہ
آرزو ہے کہ جی نثار کروں   طوف اُس در کا ایک بار کروں
وصل پروانے کو تو آفت ہے   پر جدائی بڑی قیامت ہے
خواب اور خور سے گر مجھے ہو کام   تو قسم تیری مجھ پہ زیست حرام
دل کا وہ ماجرا سناتا تھا   اور قاصد کے ساتھ جاتا تھا
دیکھا جب یہ انوپ نے احوال   ہاتھ شہزادے کے کمر میں ڈال
کہا بس اب نہ تم خرام کرو   ہمیں قصے کے تئیں تمام کرو
منزلوں تم تو بکتے آؤ گے   جان کھاؤ گے جی جلاؤ گے
گھر کو پھر جاؤ شہ نہ سن پاوے   یہ خبر لے کے واں نہ کوئی جاوے
وہ کوئی واں سے پیچھے پھرتا تھا   ہر قدم آہ کھینچ گرتا تھا
لوگ تب کر کے اُس نے اُسکے ساتھ   کہا پہونچاؤ گھر کو ہاتھوں ہاتھ

وہاں سے گھر کو پھرا وہ کرتا آہ　　ایلچی نے لی ملک بھیل کی راہ
جونہی گھوڑے پہ بس ہوا وہ سوار　　چھینک ہوئی منھ کے سامنے یکبار
سر دھنا اُس نے اور کہا یہ شگون　　خلق سب کہتی ہے بہت ہے زبون
ٹک ٹھہر کر وہ غمزدوں کی شال　　پھر چلا دست چپ سے بولا شغال
تب تو یہ دوہرہ پڑھ ہوا راہی　　یعنی کیجے نہ آپ کوتاہی

دوہرہ:-
لکھا بسیان سیس پڑھ کر دیکھے سب کو
انھونی ہونی نہیں ہونی ہو سو ہو

تن بہ تقدیر اُس نے باندھی کمر　　پہلی منزل جو پہونچا کر کے سفر
گرا گھوڑے سے اور کھائی چوٹ　　گھوڑے کا یا نصیب تھا یا کھوٹ
یا وہ شادی کے خط کا تھا آثار　　جس کے باعث سے پایا یہ آزار
جونہی چاہا پھرے وہ خط دو پھینک　　کہ لگن شاہزادے کی ہیں نیک
کچھ افاقت جو اُس نے پھر پائی　　بات چلیے سوا نہ بن آئی
درد اور دُکھ میں منزلیں کیں طے　　روز کرتا تھا کوچ پے در پے
سو مصیبت سے کاٹی سختی راہ　　پہونچا آخر کو لے کے نامۂ شاہ
تیرھویں چودھویں تھی وہ منزل　　کہ ہوا واں مقام اُسے حاصل
جس جگہ تھا درخت اور تالاب　　خیمہ اُس نے کیا اُتر کے شتاب
اہ کی عمر ہے زبس کوتاہ　　آخر اک روز قطع ہوتی ہے راہ
گھوڑا اور خیمہ اور وہ لوگ نئے　　دیکھ آپس میں بھیل کہنے لگے
واہ وا ، یہ عجب سوار آیا　　ایک بولا مرا شکار آیا
ایک بولا کہ ہونے دو ٹک شام　　لوں گا اسباب چھین اس کا تمام
ایک بولا کہ شام تو ہے دور　　پر خبر لینی ہے اس کی ضرور

یہ کہہ اک بھیل نے کہا منھ کھول   بیچے تو، کو سیا ہی گھوڑ کا مول
سُن کے بس سُن ہوا انوپ اور آہ   کہا اُس قوم سے یہ کر کے نگاہ
کہ میں راجہ آنند کا چاکر   ہوں برہمن انوپ نامہ بر
ایلچی اُس کا ہو کے آیا ہوں   نامہ راجہ دھنے کو لایا ہوں
سُن کے حیرت سبھوں کے تئیں آئی   راجہ کو جا خبر یہ پہنچائی
کہا اُس نے کہ پاتی اور چٹھی   راجوں کو راجہ بھیجتے ہیں سبھی
باکو بڑھوا کے دیکھ لیں آپن   من میں پھر آئے سو کہیں آپن
رات گزری جوں ہی ہوا تڑکا   بدّھی کو ایلچی کے بھیجا
اور کہا چل تجھے بُلایا ہے   نذر راجہ کے کر جو لایا ہے
رام کو یاد کر ہوا وہ سوار   جوں ہی چلنے کے تئیں ہوا تیار
واں پھر چھینک بس ہوئی پٹ سے   گھوڑے سے وہ اُتر پڑا جھٹ سے
آخرش پھر سوار ہو ناچار   ساتھ بدّھی کے آیا اُس کے دیار
پہلے تو اُس درے پہ وہ آئے   خار جس جا ہجوم تھے لائے
جھاڑ تھے زہردار اُس میں تمام   جو کریں آدمی کا پل میں کام
آگے پھر اُس کے لق و دق صحرا   کہ نہ جس میں تھا آب اور نہ گیا
پھر دکھایا اک اور ہی در بند   تھے جہاں دَد تمام اور درند
آگے اور آئی اک تنی گھاٹی   تل کے اوپر جہاں ہوئی ماٹی
پتھر ایک ایک اس کا سر بہ فلک   بیچ بیچ اپنے کے چوب و کنک
جمع رکھتے [illegible] کے متوالے   اپنے ڈھب مست متوالے
آگے اک [illegible]   [illegible] دوست [illegible]

اُس سے گزرا تو آیا قلعۂ کوہ　　قلعہ اور برجوں کی تھی اُس کے شکوہ
واں کماں دار کمٹھے والے سب　　ننگے ننگے سیاہ صورتِ شب
چار سو اس کے باغ و آبِ رواں　　اور شاہی کا بھی سبھی ساماں
اندر اُس کے تھا ایک قلعچہ اور　　اُس میں بیٹھا ہوا دھَنی اِس طور
کہ تھا سنگِ سیاہ کا اک تخت　　گرد سب اُسکے میوہ دار درخت
گرد سب بھیل تھے سیاہ اور ...ل　　کمٹھے ہاتھوں میں کھاتے مارے بل
اُس نے جا پاس سے سلام کیا　　کر سلام اُس کے رو برو بیٹھا
راجہ نے اُس کی دیکھ کر جرأت　　پوچھا لایا ہے کہہ تو کیا حاجت
کہا حاجت نہیں مجھے ہر چند　　ہے تو کرتے روا ہیں راجہ آنند
مَیں اُنھیں کی دیا سے سیر ہوں خوب　　بھیجا ہے یاں اُنھوں نے دے مکتوب
اِس کو پڑھ کر جواب دلوا دو　　آپ لکھ دو، کسو سے لکھوا دو
لیا راجہ دھنی نے جب نامہ　　بولا یہ پڑھیو با ادب نامہ
وہ ادب اور پڑھنا جانے کیا　　سُنا مضمون نامہ کے پڑھوا
کان میں جوں ہی پہنچا وہ مضمون　　ہوا غصہ سے بس دل اُسکا خوں
جوں سپند اپنی جا سے گرم اُٹھا　　ہوا بے تاب جس طرح شعلا
کہا لوگ اس کو کھینچ لے جا دیں　　دیو زادوں کے آگے ڈال آدیں
ہاتھوں ہاتھ اُسکو کھینچکر لے گئے　　دیو زادوں کے کوہ پہ لے گئے
آپ بھی ساتھ آیا کرتا عزیلو　　کہے یعنی کہ اس کو کھا جا دیو
بولا وہ مجھ پہ کب ستم ہے روا　　ایلچی کو زوال کیا ہے گا
اے زبردست زیر دست آزار　　گرم تا کے بماند ایں بازار
بہ چہ کار آیدت جہاں داری　　مُردنت بہ کہ مردم آزاری

بارے بدھی وزیر نے کی عرض | ایلچی پر ہے مہربانی فرض
یا تو لکھ دیجیے اس کو خط کا جواب | نہیں منظور گر تو دیجیے جواب
تب دھنی نے منگا کے کٹھا تیر | دیا ہاتھ اُس کے، کر کے یہ تقریر
نامہ لایا تھا تو بہ عظم و شان | اُس کا لے جا، جواب تیر و کمان
واں سے رخصت ہوا تو تب اُس آن | یاں سو رادی کرے ہے اب یہ بیان

ضیافت نمودن امرت دختر بدھی وزیر و بردن ایلچی را بہ خانۂ خود

بیٹی بدھی کی ساحر و محبوب | جادوگر تھی بنائے صورت خوب
دیو اُس پہ ہوا تھا عاشقِ زار | کرتا حاضر جو اُس کو تھا درکار
وہ اسے ساحری سکھاتا تھا | دھنی راہ بھی خون کھاتا تھا
ایلچی واں سے جب ہوا رخصت | بس کی گانٹھ اور نام کو امرت
لائی گھر اپنے کر تی خوش حالی | اور ضیافت کی پھر بنا ڈالی
کیا شہزادی سے تھا بہنایا | نت تشکر ہار اکہتی تھی آیا
اُس کو بلوا کہا کہ بہنا جان | ایلچی کو کیا ہے میں مہمان
صدقے گئی بہنا دل جگر ہے یہ | تیرے دولھا کا نامہ بر ہے یہ
غصہ ہو اُس نے تو چڑھائی ناک | پیار سے اُس نے واں لگائی تاک
وہ بھی صورت پہ اُسکے ہوش کو بھول | خوش ہوا اور خوب بیٹھا بھول

ساقی نامہ ضیافت

ساقیا لا جو جام و مینا ہے | کہ ضیافت شراب بن کیا ہے
بزم کا حسن و لطف ہے مے سے | چہل بن مے نہ ہو کسی شے سے

خوش لگے ہے تبھی تو چنگ و رباب کھائیے جب کباب پیجے شراب
نہیں تو چپکے گھر میں سو رہیئے نہ تو کچھ سنیئے اور نہ کچھ کہیئے
ہوا حاضر شراب اور کباب عیش و عشرت کا اور سب اسباب
رکھا اسباب دیو سے وہ منگا سلطنت میں آنند کی جو نہ تھا
بادۂ لعل اور جام بلور ماہ میں پر ہوا تھا بھر کا نور
پاندان، عطردان اور چنگیر اُسمیں عطر، اُسمیں پان پھولوں کا ڈھیر
چلپنی کے زرنگار باسن سب پر گھڑے اور گلاب پاشیں عجب
سونے چاندی کے ظرف مینا کار سبزے میں ہو گلوں کی جیسے بہار
مسند اور تکیے مخمل زرتار چھتیں اور پردے، چاندنی، قالیں
پردے اور چلمنیں بھی زنگارنگ بچھا سونے کا ایک جڑاؤ پلنگ
سیج بند اور کسنوں سے کھچے سیج دیو نے جو دیے تھے پہلے بھیج
چادر اک صاف اس پہ دی تھی بچھا نور مہتاب جوں رکھے ہے صفا
اور اوقچہ پڑا جھلا جھل کا جیسے خورشید کی سحر کو ضیا
شامیانہ تھا بادلے سے گھڑا بانس ہر ایک بادلے سے منڈھا
جھالروں تک سبھی مسلسل تھا ڈوریوں میں عجب جھلا جھل تھا
دیکھ اس شامیانے کو مہتاب کہے تھا چشم کو، کہ کر یاں خواب
موتیوں سے تھی جھالر اُسکی ٹکی چاندنی جس کو دیکھ لوٹ پڑی
فرش پر تھا منقش کپڑا ہوا گئی تھا ماہ ٹکڑے ٹکڑے پڑا
کوٹھوں پہ سنگ فرش سرخ اور زرد جیسے چہ سر کی خوب صورت نرد
چھت اور ایوان سب تھے نقاشی یا طلائی تھا کام یا کاشی
قدِ آدم تھے آئینے ہر جا جن کی رخساروں سے زیادہ صفا

آئینوں میں پری رُخوں کی بہار   وہ جدا ایک ہو رہا گلزار
بادلیشوں کی تھی یہ اس میں پھبن   جیسے سورج کی آئینہ میں کرن
شمع سبز اور شیشوں کے فانوس   سَرو کا عکس آب میں محسوس
رکھے پنشاخے اور دوشاخے سبھی   شمع دان اور جھاڑ بلوری
جھاڑوں کی روشنی بہ انداز گلشن   نظر آتا تھا وادیٔ ایمن
بادلوں سے درخت تک تھے منڈھے   شجرِ طور جوں تجلی کرے
جلوہ گر آب میں اُدھر مہتاب   جلوہ افگن پری اِدھر لبِ آب
رقص شیشہ محل میں کرتی پری   پری شیشے میں رقص کرتی تھی
ہر طرف حقے شیشے کے گل دار   پیچواں نیچوں کی اُنھوں پہ بہار
دو کھنیا بنے تھے بس اک بار   لپٹے نیچے گلے سے آ جوں مار
مار پیچے تھے لیک زریں مار   اُن میں بجز دودِ دل نہ تھا زنہار
لب سے نکلے تھا حقہ کا جو دود   چشمۂ خضر پر تھا سبزہ نمود
حوض اور نہریں اور فوارے   حسن و خوبی سے سب بھرے سارے
ڈالیاں پھولوں میووں کی آ گئے   باغ بھی جن کو دیکھنے لاگے
کھانے اقسام کے رکھے تھے خوب   سب لذیذ اور طبع کے مرغوب
طاقچوں میں دھرے تھے نرگس دان   دیکھ کر جن کو چشم ہو حیران
کرسی ہر ایک با جڑاؤ دھری   اس پہ بیٹھی ہوئی ہر ایک پری
سب پری زاد اور سبھی مے نوش   سب جواہر میں غرق بادلہ پوش
کوئی تغافل سے کرتی تھی نہ نگاہ   قتل کر ڈالتی کوئی بہ نگاہ
تمکنت سے کوئی نہ کرتی بات   باتوں میں جی لبھاتی کوئی ہیہات
جھک کے کرتی کوئی ادا سے سلام   کرتی کوئی سرکشی سے کام تمام

پاؤں پر رکھے کوئی بیٹھی پانو ۔ دو جہاں خاک پا تھی جس کے بھاؤ
ہاتھ اُٹھا کوئی لیتی انگڑائی ۔ کہ وہ گرد دل پہ اک بلا لائی
کوئی تکیہ کو لے کے لیٹی شتاب ۔ گویا عالم کے بخت نے کیا خواب
کسی کی چشم نیم باز ہے آہ ۔ کسی کے چتونوں میں ناز ہے آہ
آپ آمرت تھی ان میں اک طناز ۔ اچپلی، شوخ اور سراپا ناز
وضع سادی سی کرتی ململ کی ۔ پہ دوپٹہ میں اک دھنک تھی لگی
چولی کی پائجامہ کی اک سیر ۔ پاؤں میں کفش زر کی بس اور خیر
نورتن کے بوا نہ اور سنگار ۔ انگیا چھپکے تھی یا کہ بند ازار
سونے کے ہاتھ پاؤں میں تھے کڑے ۔ ہار پھولوں کے کچھ گلے میں پڑے
عطر میں ڈوبی ہوئی وہ سرتاپا ۔ ہاتھ پھولوں کی پنکھیا بہ ادا
سن بھی چودہ برس سے کچھ کم کم ۔ بھولا منھ بالپن کا اک عالم
مُرکیاں کان میں جڑاؤ دو ۔ چشم نرگس کو خیرہ کر دیں وو
تکمہ لعل کی گلے پہ نمود ۔ حسن پہ حسن کو کیا افزود
تھا گریباں پہ کرتے کے یوں وو ۔ جیسے نسریں پہ غنچہ گل کا ہو
سر پہ اک جوڑ نو برس کی کھڑی ۔ سو رچھل زرنگار کرتی تھی
ہاتھ اور پاؤں مہندی سو سب لال ۔ پہونچے تا نیم ساق سر کے بال
گادیں مطرب بیچ یہی ہر بار ۔ شعر حافظ کے وال پکار پکار

غزل حافظ

ساقیا مایۂ شباب بیار ۔ یک دو ساغر شراب ناب بیار
می کند عقل سرکشی تمام ۔ گردنش راز مے طناب بیار

دارو ئے دردِ عشق یعنی مے ‏ کوست درمانِ شیخ و شابہ بیار
آفتابست و ماہ بادہ و جام ‏ در میان مہ آفتاب بیار
یک دو رطلِ گراں بہ حافظ بخش
گر عذابست وگر ثواب بیار

سات دن تک یہی ضیافت تھی ‏ یہ ضیافت نہ تھی کہ آفت تھی
جب خوشی میں ہوئے سبھی سرگرم ‏ دور آمرت نے کرکے پردۂ شرم
کہا دیکھا تھیں تو ہم نے خوب ‏ بارے شہزادہ بھی ہے کچھ محبوب
آیا اُس دم از آپ کو کچھ ہوش ‏ یعنی شہزادی یاں رکھے ہے گوش
ایسے میں کہتے شہ کا حسن و جمال ‏ دیکھے پردہ میں پھر جتا سب حال
شرح حسن و جمال کی کر، کہ ‏ بولا مشکل ہے ان دنوں ششدر
اُس کا رخسار تھا جو اک گلزار ‏ غم سے اب ہو گیا ہو صورت خار
شاہزادے کی کھینچ کر تصویر ‏ لے گیا تھا بنا وہاں وہ فقیر
یہ دیا تھا پیام چلتے بار ‏ کہ بنے وقت اور ملے جو وہ یار
تو اُسے میری عاجزی کہیو ‏ بیکسی اور بے بسی کہیو
کہیو تجھ بن نہ زیست ہوگی مری ‏ کیونکے دیکھوں میں شکل ہائے تری
سن کے آمرت نے تب یہ اُس سے کہا ‏ کہ تجھے کھینچ آوے ہے نقشا
آپ سے تو نے کی ہے یہ تقریر ‏ اپنے شہزادے کی بنا تصویر
وہیں کاغذ پہ جمع کر کئی رنگ ‏ کھینچی تصویر جو ہوئے سبھی دنگ
گرچہ آمرت کو بھی ہوئی تاثیر ‏ پر شکر بارہ کو لگا اک تیر
دیکھ کر شکل شاہی کے لائق ‏ ہوئی اک جی سے لاکھ جی عاشق
جذبۂ عشق ہو جہاں صادق ‏ کیونکے معشوق ہو نہ پھر عاشق

گو پتنگ اپنی جان کھووے ہے — شمع بھی زار زار رُووے ہے
دیکھ اُس لقتے کو سبھی یک بار — ہو گئے ہائے صورت دیوار
جو خواصیں تھیں اُس جگہ کھڑیاں — کھڑی تھیں جیسے قالب بے جاں
بزم کا دیکھا جب کہ اور ہے رنگ — رکھ کے امرت نے اپنی چھاتی پہ سنگ
ایلچی کے تئیں روانہ کیا — اُس ستے کے تئیں فسانہ کیا
کہا تم جاؤ، دل بھی لے جاؤ — اُس کو لے آنا پھر اگر آؤ
بولا وہ، میں قدم اُٹھاتا ہوں — پر یہیں دل کو چھوڑے جاتا ہوں
یاد تم کو یہ دل دلاوے گا — دیکھیں اللہ کب ملاوے گا
ایلچی اک جواب سے محروم — تس پہ امرت کے ہجر سے مغموم
پھر وہ جاتا تھا کھینچ سختیٔ راہ — تس پہ فکر اُس کو اور دہشت شاہ
یعنی آیا تو لے کے تیر و کماں — جنگ کا کرنا اب پڑا سامان
نہ کرے تو تمام بگڑے کام — ننگ و ناموس شاہ گم ہو تمام
زندگانی سے اپنی آیا تنگ — کرتا جاتا تھا اپنے بخت سے جنگ
یہاں امرت کہے تھی ہائے انوپ — خاک میں اُس نے سب ملایا روپ
اور شکر پارہ تھا متی جی کو — کہ بہت جی نہ چاہ طوطی کو
طوطے کی آنکھ میں نہیں ہر دنا — طوطا لیتا ہے دم میں آنکھ پھرا
پھر یہ کہتی انوپ کچھ لکھ کر — جادو سا ہائے کر گیا مجھ پر
بھینا امرت نہ شکل کھنچواتی — نہ بلا میری جان پر آتی
یہ منھ اُس کا، وہ اِس کا منھ دیکھے — شرم سے کوئی کچھ نہ بات کہے
پر یہی رمز دل میں سُناتی ہیں — دونوں اپنے کیے کو پاتی ہیں
کبھی کہتیں کہ یہ جو گزرا سماں — دیکھیں سچ مچ پھر آنکھ سے سو کہاں

کبھی کہتی تھیں کیوں کر اے کرتار — ہوگا اُن دونوں کا اِدھر کو گزار
کیا پڑی تھی اُنھیں کہ بر سر جنگ — آئیں گے کر کے طے یہ کوچۂ تنگ
رُوز و شب دل میں سوچ کرتی تھیں — شرم سے یک دِگر کی مرتی تھیں
ناگہہ امرت نے کھولی اپنی زباں — کہا شہزادی سے کہ بہینا جاں
کس لئے بیٹھی ہے تو یوں چپ چاپ — غمزدی کیوں بنی ہو آپ ہی آپ
کچھ تو اپنا تو ماجرا بتلا — اِن دنوں میں تجھے ہوا ہے کیا
نہ وہ چوسر کا کھیلنا، نہ خوشی — نہ وہ کرنا سنگار اور نہ ہنسی
وہ لگی کہنے تو ہے بہینا جان — کھو کے بیٹھی ہے آج کل اوسان
نہ تجھے یاد، دیو ہے طوپال — ہونٹھ پپڑائے لگ گئے ہیں گال
اُڑتی ہے منہ پہ کچھ ہوائی سی — لے گیا ہے الوپ تیرا جی
وہ لگی کہنے سچ ہے بہینا جی — نہیں کی میں نے بالوں میں کنگھی
میں نے چھوڑی ہے سیج پھولوں کی — میں ہی بھولی ہوں پینگ جھولوں کی
میں نے ہی کی ہیں رُو رُو آنکھیں لال — پونچھ آنسو سُجائے میں نے ہی گال
میرے ہی دل میں تو چبھی ہے پھانس — میں ہی لیتی ہوں چپکے ٹھنڈی سانس
میں ہی تو لے دوپٹہ سے منہ ڈھانک — دیتی ہوں اپنی سکھیاں پاس سے ہانک
ایک نے دل ہی دل میں غم کھایا — ایک کچھ دُکھ زبان پر لائی
مجھ پہ گر ہے الوپ کا جادو — شکل پر طوطی کی فدا ہے تو
سچ کہوں میں تو غم ذرا بھولی — کون عاشق بنے چڑھے سولی
پر بہن تیرا حال ابتر ہے — دیکھ اشکوں سے کُرتی سب تر ہے
عشق سے تجھ پہ اب ہے عرصۂ تنگ — دن میں بدلے ہے تو، تو سو سو رنگ
کبھی چہرہ بحال ہوتا ہے — کبھی جیوڑا نڈھال ہوتا ہے

کبھی جاتی ہے جان تیری ٹھہر | پھرتی ہے گاہ مُردنی منھ پر
بالا جی ہے ترا، نئی ہے چاہ | تو نہ کھینچے تو پھر میں کھینچوں آہ
لا ترے سر میں تیل ڈالوں میں | گوندھ کر بال چوٹی کر دوں میں
گرم کروا کے پانی نہلا دوں | اُجلے کپڑے میں تجھ کو پہنا دوں
عقلمند اپنی جان کھوتے ہیں | یہ بہن مرد کس کے ہوتے ہیں
یہ مثل ہے جہاں میں بہنا جان | جان اپنی ہے تو ہے سارا جہان
حسن جبتک ہے کوئی چاہے ہے | ورنہ کس سے کوئی نباہے ہے
باپ کا تجھ کو خوف اب ہے ضرور | دل سے طوطی کے کر خیال کو دور
نہیں ہووے گی تو بہت سی خراب | رلی کب، موتی کی گئی جب آب
تب یہ سنکر پارا غصہ ہو بولی | تم نے ایکبارگی زباں کھولی
عشق کیا کس درخت کا ہے نام | بارے جامن ہو وہ کہ یا ہے آم
عشق آفت ہے یا کوئی آزار | تیغ ہے، تیر ہے وہ یا تلوار
ہنس کے بولی وہ ایسی بھولی تو | کبھی دیکھے نہیں خصم جورو
آخرش بیٹیوں کی ہے یہی راہ | چھوڑ کنبہ کریں خصم کی چاہ
سچ ہے پھر وہ تو ماہ پیکر ہے | ذات و دولت میں ہم سے بہتر ہے
صبر کر چند روز میری جان | گر اُنھوں کا ہوا اِدھر کو دھیان
تو تو کیوں کیجے پھیرا اتنا سوگ | ہو رہے گا نصیب کا سنجوگ
نہیں اک ماہ بعد میری بوا | دیو کو بھیج، لوں گی اُن کو بلا
سُن یہ پارا بس خموش ہوئی | راہ تکنے لگی، جبی نہ مری

رفتن ایلچی پیش راجہ اندر و جواب دادن طوطی را از جانب معشوق و نمودن تیاری جنگ

ساقیا آتش شراب جام میں ڈال | ایلچی کا کہوں جواب احوال

آب آتش مزاج لے آ یہاں
کہ ہے شادی و جنگ کا ساماں

خرقے کو مے سے سبز رنگ کر دوں
گردشِ آسماں سے جنگ کر دوں

غم بھگاؤں کروں خوشی سو وصال
کہ جہاں میں خوشی ہے بعد ملال

قصہ کوتاہ ایلچی شہ کا
بخت سے لڑتا آ وطن پہونچا

کیا طوطی نے سُن کے استقبال
کہ نہ تھا مطلق اُس کو استقلال

دوڑ دوکر س آکے ہوکر شاد
کہا میرا پیام تھا کچھ یاد

جو دیا ہو جواب کہدے شتاب
کہ مجھے صبر کی نہیں ہے تاب

بولا وہ تیری چاہ جاوے ڈوب
نہیں لگتی ہو زیست مجھ کو خوب

بولا کچھ بھی کیا تھا میرا بیاں
کہا جھنجھلا کے اُسنے ہاں جی ہاں

پوچھا پھر بولی کیا وہ ماہِ جبیں
سُن لگا کہنے وہ نہیں جی نہیں

پاس شہ کے وہ خوف سے نہ گیا
رام چندر سے ماجرا وہ کہا

رام چندر کنور وزیر کے ہاں
لے گیا اُس کو اور وہ تیر و کماں

اور سارا کہا وہاں کا ڈھنگ
باتیں سن کر کنور ہوا بس دنگ

راجہ کے پاس جا کنور پہونچا
کہا یاں آج نامہ بر پہونچا

پوچھا لایا جواب بول شتاب
کہا، گر شہ کریں نہ سُن کے عتاب

کہا شہ نے کہ صلح ہے یا جنگ
ہم کو دونوں میں کچھ نہیں ہو درنگ

پوچھا پھر ہے کہاں وہ گیدی الوپ
جلد لا جو کہے وہاں کا روپ

کی ادب سے الوپ نے تسلیم
اور دُعا شہ کو دی بہ طور قدیم

پوچھا شہ نے کہ واں کی کر تقریر
رکھ دیا لا کے آگے کمٹھا تیر

اور کہا نامہ کا تو یہ ہے جواب
مجھ پہ گزرا سو اُسکا کیا ہو حساب

کہا شہ نے کہ کچھ سیارت کی
بولا وہ آپ نے عنایت کی

شہ نے پوچھا کہ راہ کیسی ہے — کہا جی جانتا ہے جیسی ہے
سنگ ہیں خار ہیں درخت ہیں جھاڑ — شیر اور ریچھ، جنگل اور پہاڑ
پانی ہے موج موج اور طوفاں — تیر کھینچے ہیں بھیلوں کا طنیاں
سات در بند کوہ گرد بنی — بیچ کے قلعہ میں ہیں راجہ دھنی
جا تو دیکھے کوئی وہاں بارے — کیا پہاڑوں سے کوئی سر مارے
دیو کے آگے مجھ کو ڈلوایا — لیک بڈھی وزیر لے آیا
شہ نے اپنے وزیر سے یہ کہا — ایلچی کو دیا اُنھوں نے ڈرا
وقت جنگ است جنگ باید کرد — کوشش نام و ننگ باید کرد
فوج جلدی سپاہ کر ساری — ہاں ابھی کوچ کی ہو تیاری
توپ اور توپ خانہ اور بندوق — دارو گولی کے خوب ہے صندوق
بان اور تیر، برچھی اور تلوار — خیمے اور ڈیرے ہوں سبھی تیار
علم اور نیزے ہوں سبھی برپا — جلد برپا ہو جنگ کا یہ نوا
گھوڑے ہاتھی کا نیزے ہوں سوار درست — تیر بندوق سے پیادے چست
داغ دو رکاب آ ذرا قصہ کریں بار — یاں سے واں تک ہو اشتروں کی قطار
یہ تو سامان کہہ کنور کو دیا — اور کہا رام چند کو یہ بلا
شادی کی آپ کر لیں تیاری — جو کسی بات سے نہ ہوں عاری
روغن کے فتیلے تیل اور جھاڑ — پھونک دیویں جو دشت اور پہاڑ
چھڑنے کو انار اور بہت پھول — پھلجھڑی اور ہوائیاں معقول
ہاتھی بارود کے اور انکا ساز — دیوؤں کو بھی لڑائیں آتشباز
پان اور پھول، عطر و شیرینی — روپے سونے کے ظرف اور چینی
یاں سے واں تک تمام آرائش — تھلیاں نقلوں کی جتنی ہو خواہش

رنگ کی تنگیں اور شراب کی سب — جو جو درکار ہوں سو لے لے اب
گانے والے، بجانے والے تمام — رنڈی اور مرد، کسبی خاص اور عام
یا شکر پارا بیاہ لاتے ہیں — کپڑے یا خون میں رنگاتے ہیں
ہفتہ کے درمیاں غرض اسباب — ہوا موجود سب شتاب شتاب
کوچ کا پھر بجایا نقارہ — بولا طوطی لے شکر پارا
کانپ اُٹھا وو ہیں گنبدِ گردوں — جوں ہی نقارے کی صدا ہوئی دوں
شاہ اُمر آنند کی وہ فوج — چلی دریا کی جیسے اُمڈے ہی موج
ڈھالیں تھیں ابر، برق تھی تلوار — تیر بھالے تھے مینھ کی جیسے بوچھار
اژدہا توپ اور تفنگ تھے مار — تھے یہ آتش فشاں وہ آتش بار
فوج سے اور سپہ سے وقت نبرد — آسمان و زمیں ہوا سب گرد
شاہ خود فیل پر سوار ہوا — اور فیلوں کا اُس کے پیچھے پرا
تیغ سونڈوں میں اور فیل سیاہ — جوں گھٹا کالی میں ہو بجلی آہ
گھوڑا نوشہ کا تھا پری پیکر — تیز رفتار جوں چلے فر فر
پاؤں پر جاں نثار وقت خرام — سُم پہ قربان ماہ جب رکھے گام
نازنیں اُس پہ جب ہوا وہ سوار — کاٹ کر راہ کو چلا اک مار
رام چندر سے پوچھا شہ نے منگوں — وہ لگا کہنے گر چہ ہے یہ زبوں
پرستاروں کے بُرجوں میں جو ہو سیر — چاہیے ہے کہ عاقبت ہو بخیر
پہونچی امر سے شہ کی فوج و کتک — بھیل کے ملک اور پہاڑ تلک
یاں سے واں تک تمام فوج اور دل — اُمڈے ساون میں جس طرح بادل
بھیلوں کو جب نظر پڑی وہ شان — گئے بچار اُن کے سب اوسان
خیمے برپا کیے، علم گاڑے — کانٹے کانٹے درخت سب جھاڑے

جانور آدمی کا کچھ نہ تھا غم　　جو بلا بس کیا پھر اُس کو قلم
گھاٹیوں پہ چڑھائیں توپیں جا　　دھنی کی چھاتی پہ بجا دھونسا
کہا بدھی نے بند ہوں در بند　　آن پہونچے ہیں سر پہ راجہ انند
جنگ کا بجنے لاگا نقارا　　خوش ہوئی دل میں سُن شکر پارا
کہ یہ شادی کی میری نوبت ہے　　بخت کی میرے سر پہ منت ہے
آ کے امرت نے دی مبارکباد　　کہا نقارے نے سُنی فریاد
کوئی لڑنے سے مرد ڈرتے ہیں　　دُھن رکھیں دل میں جو سو کرتے ہیں
ہاتھی تھی اُسے بہن چھوٹی　　منھ کی میٹھی ہے پیٹ کی کھوٹی
بھید دل کا نہ اپنے کھُل کے کہا　　بلکہ ہوئی اور اُس سخن سے خفا
کہا راجہ دھنی کا راج رہے　　میرے تئیں اور کام ہے کس سے
دوڑی امرت گئی دھنی کے پاس　　کہ سے دل کی کرتی خوف و ہراس
کہا یہ بارے کیا بلا آئی　　فوج ہی فوج دے ہے دکھلائی
گڑ دیئے خیمے اور نشان کھڑے　　جھنڈے آ کر پہاڑیوں پہ گڑے
تنگ گھاٹی کی ہوئی کشادہ راہ　　پھونک جنگل کیا ہے خاک سیاہ
شیر اور دد تمام مار لیے　　گڑ دے گاؤں سارے قتل کیے
پانی چھوڑا تھا کاٹ جو در بند　　کنور اُن کا وزیر دانش مند
کشتیاں اب بنائے ہے وہ فور　　بن چکیں اور کیا اُنھوں نے جوڑ
ڈر سے توپوں کے جھیل کوئی نہا　　تیر مارے نہ اور کچھ ہتھیا
توپ کا گولہ جب کہ چلتا ہے　　سہم کے مارے جی نکلتا ہے
آتی ہے گولے کی صدا جب ڈھائیں　　گونجے سارا پہاڑ بن کھے سائیں
تب دھنی نے کہا کہ دیو کو تو　　کہہ دے طوپال کچھ کرے جادو

جو سپہ اُن کی ہے تمام ہو سنگ — خوب راجہ آنند دیکھ ہو دنگ
دیو نے ماش مارے کچھ پڑھ کر — کہ سپاہی ہوئے سبھی پتھر
جو تھا جس کام میں وہیں کا رہا — سب معطل نہ کوئی کہیں کا رہا
رام چندر سے شہ نے کر کے نگاہ — کہا دیکھا جو کاٹی سانپ نے راہ
وہ لگا کہنے کچھ نہ من میں لاؤ — جی کے اُن کو نکالنے دو جاؤ
پاس میرے ہے ایک انگوٹھی — دیو کو باندھ لادے گی وہ ابھی
رکھوں ہوں میں عزیز اسے جاں سے — پہونچی ہے حضرت سلیماں سے
غرض انگشتری کو وہ ہیں دھو — کہا لا باندھ دیو کافر کو
بات انگوٹھی نے یہ جو سنی پائی — دیو کی مشکیں باندھ لے آئی
آکے طو پال یاں ہوا حیراں — لگا کہنے یہ زور ہیں انساں
پوچھا اُس سے کہ لوگوں کو پتھر — کیوں کیا تو نے کیا تھا بد نظر
بولا امرت جو ہے مری محبوب — کہہ گئی تھی کیا میں یہ اسلوب
کہا اب سحر ان سے دور تو کر — نہیں ماریں گے تجھ کو وقت سحر
ہنس کے بولا کہ صبح ہونے دو — جو کہو گے سو کرنا پھر مجھ کو
خبر امرت نے یہ جو سنی پائی — شاہزادے کے تئیں چرا لائی
دیو کہنے لگا کہ جاگو کوئی — دیکھو طوطے کو لے گئی بلی
بلی ہو کر وہ آئی تھی عیار — لے گئی شاہزادے کو اک بار
ہر طرف دیکھ ہائے ہائے مچی — خیمے خیموں میں ڈھائے وائے مچی
وہ شکر پارا پاس لائی کہ تو — دیو کے بدلے اس کو باندھ رکھو
بولی شہزادی سوتے کا لانا — کیا بڑا کام ہے سنو اے بہینا
دن دیئے اُس کو جاگتے لاؤں — تب شکر پارا نام رکھواؤں

ہاتھ کا اپنے اُسکے چھلا پہنا   کر چلتر اُسے وہیں بھیجا
اور کہا دیو کو بُلا دوں گی   گر نہ اب آیا صبح لا دوں گی
طوطی کو لائے تھے جہاں سے وہاں   اس نے بھجوایا اور ہوئی یہ رواں
دیو نے دیکھ طوطی کا آنا   دل میں تحقیق اپنے یہ جانا
تو اگر ان سے سحر کو کھو دے۔   تیری شاید کہ مخلصی ہووے
بولا کر دوں میں آدمی پھر سب   پاؤں جی کی امان اپنی جو اب
رام چندر یہ بولا سُن کے بھلا   نہ کرے گا تو ہم سے پھر تو دغا
کھا قسم بولا وہ مجھے نہیں کام   فتح کے بعد دوں گا گنج تمام
ہر طرف اُس نے سب وہ جادو کیا   اور اُنھوں نے بھی اُسکو کھول دیا
نوبتیں شادی کی بجیں ڈوں ڈوں   بولا گر دوں کہ تہنیت میں دوں
صبح شہزادہ خواب سے جو اُٹھا   ہاتھ میں دیکھا اک عجب چھلا
چھلا بالوں کا نادرات دَلے   دل کو حور و پری کے جو چھل لے
جی میں سوچا کہ ایسا چھلا خوب   کون رکھے مگر کوئی محبوب
کہا جا رام چندر سے یہ بات   بولا وہ تجھ کو لے گئے تھے رات
واں تشکر یار نے نشان چڑھا   یاں کو بھیجا ہے اپنا چھلا پہنا
خوش ہو دو ہیں وہ پھول کر بیٹھا   حق کی درگاہ میں کیا سجدا
چھلے سے اس کو ہوئی دو چنداں یاد   دیکھے سے واں اُسے لگی فریاد
شوق دونوں کا اب دو چند ہوا   آنکھوں دیکھا بھلا کہ کانوں سُنا

جمع نمودن کشتی ہا و عبور نمودن لشکر راجہ اندر از دریا

ساقیا جلد لا تو کشتیِ مے   شاہ کی فوج پار اُترے ہے

لاشتاب اس جگہ شراب کی بط   طے کروں جو کہ میں بھی غم کا شط
بحر اندوہ و غم سے پار ہوں میں   دونوں عالم سے درکنار ہوں میں
خوب ہوتا ہے گرچہ عالم آب   پر لب آب خوش ہے بے گرداب
کہتے ہیں کشتیوں کو کر تیار   جب سپہ کو کیا کنور نے پار
طے کیا پھر جو دشت تعالق ودق   شب کو لی جا کے قلعہ کی خندق
چاہا توپوں کے تئیں چڑھا دیویں   برج اور قلعہ کو اڑا دیویں
بھیلوں نے واں لڑھائے متوالے   پتھروں سے لوگ پست کر ڈالے
دوڑے تیر اور کمیٹھے لے اس رات   کالے کالے بھجنگ جوں جنّات
مشعلیں دانتوں میں بہ شکل زبوں   مارا، آ فوج شاہ پر شب خوں
فوج دونوں طرف کی آئی کام   ہوئے آپس میں لوگ لڑ کے تمام
شب نہ تھی وہ عجب قیامت تھی   جس طرف دیکھتے تھے آفت تھی
پیچھے دریا تھا اور آگے پہاڑ   درّے محکم کیے تھے کاٹ کے جھاڑ
سنگ، تیر و تفنگ اوپر سے   لڑیں متوالے ٹکریں سر سے
پہلوانوں کے تئیں نہ دست ستیز   اور نہ باقی رہا تھا پائے گریز
پچھلی شب ہو چکی آنکلا پارا   پردہ شرم و حیا کا کر پارا
کہا طوطی سے تم جو یاں ہی رہے   صبح تک لوگ سارے مارے گئے
راہ سب بند ہے چڑھائی کی   مگر اک ہے سرنگ اگلی کھدی
اس میں تم اور شاہ ساری سپاہ   گر چلو جلد اب مرے ہمراہ
قلعہ کی فتح، وہ تو ہووے گی   خلق نہیں اپنی جان کھووے گی
بولا طوطی تمھارا نام ہے کیا   کہا جس کا نشان ہے پچھلا
سمجھا وہ اور بوجھا راجہ آنند   چلے اس راہ فوج لے خورسند

ناگہہ نکلی سُرنگ جا کے وہاں　　بیٹھے راجہ دھنی تھے آپ جہاں
ہو بچی راجہ آنند کی وہ سپاہ　　اور راجہ بھی اُس کے تھے ہمراہ
دھنی راجہ کو دستگیر کیا　　جو، جو حاضر تھے واں اسیر کیا
اور جس نے کہ کھینچی اُس جا تیغ　　قتل سے اُس کے کچھ کیا نہ دریغ
پھر منادی پھری سحر ہوتے　　بھیلو کیوں اپنی جان ہو کھوتے
ہاتھ باندھ آ ملو بنی سو بنی　　یاں تو ہو گئے اسیر راجہ دھنی
دھنی سمجھا جو فوج لائی ہے　　گھر کے بھیدی نے لنکا ڈھائی ہے
تخت پر بیٹھا جا کے راجہ آنند　　بجی نوبت سبھی ہوئے خورسند
پوچھی راجہ دھنی سے تب یہ بات　　کیوں کٹائی تمام اپنی برات
تم کو یہ روز کیا نہ تھا معلوم　　جو مچائی تھی اس پہاڑ پہ دھوم
رام نے دی ہے جن کے تئیں شاہی　　جنگ کرنا انھوں سے ہے واہی
خوشی سے دیتے اپنا تم دل بند　　تو کہو کتنے ہوتے ہم خورسند
اب تو شادی کا کچھ مزا نہ رہا　　لے گئے ہم بزور تم سے تو کیا
قید میں وہ دلیر اُٹھ بولا　　جیتے جی اپنے تو نہ کچھ ہوگا
ہوئے جس وقت آپ راجہ دھنی　　پیچھے ناموس پر بنی سو بنی
سب کہیں گے دھنی کے بد افسوس　　کیا ظالم نے سب کو بے ناموس
کہا راجہ آنند نے سمجھا　　میں تو دشمن نہیں ترے جی کا
کر سنگر پارا طوطی کا پیوند　　جو مرا ہے سو تیرا ہے فرزند
بڑا رکھتا ہوں راج میں تجھ سے　　لینے کا نہیں خراج میں تجھ سے
راج تجھ کو ہی دے کے جاؤں گا　　پر سنگر پارا لے کے جاؤں گا
بولا وہ، بات یہ بنے تب تو　　خانہ داماد دو جو طوطی کو

بیٹی اور بیٹا کچھ نہیں ہے چیز — یہ بھوانی کے تئیں رکھے ہے عزیز
اُسکو چاہے یہ اور اُسے سب گاؤں — یاں بھی تو باجے گا تمھارا ناؤں
کیا راجہ آنند نے یہ قبول — بخشا راج اور کہا کہ ہو نہ ملول
لگی شادی کی ہونے تیاری — ہوئی حاضر رعیت آ ساری
نذر لے لے کے ہر کوئی دھایا — دیو طوپاں گنج زر لایا
رام چندر کے تئیں یہ شہ نے کہا — نیک ساعت میں جا لگن کو دھرا
تب دھنتی نے کہا کہ شرط ہے ایک — گر بجا لاوے طوطی تو ہے نیک
میرا اس امر میں نہیں چارا — شرط رکھتی ہے کچھ شکر پارا
جائے شہزادہ طوطی آپ اُس جا — لائے پہلے وہ اُس کی شرط بجا
وہ لگا کہنے اس سے کیا بہتر — اُس کا میں اور وہ مری دلبر
دل سراپردۂ محبت اوست — دیدہ آئینہ دار طلعت اوست
دور مجنوں گذشت نوبت ماست — ہر کسے پنج روز نوبت اوست
طوطی نے چلنے کا بناؤ کیا — اور شکر پارا نے یہ حرف سنا

خبر یافتن شکرپارا از ارادۂ آمدن شاہزادہ برائے تیر زدن مکان شکرپارا

کہ ہے آنے کو طوطی یاں تیار — لال پھینٹا سجا ہے اک بل دار
تس پہ سرپیچ لعل کا باندھا — گلے میں ڈالی لعل کی مالا
لعل کا لٹکن اور جیغہ، کلغی — لعل کی پہونچی ہاتھ میں ہے بندھی
لعل کے بازو بند بازو بر — لال ٹھپے قبا کے سب یکسر
لال زربفت کی قبا بر میں — لعل ہی سب جڑے ہیں خنجر میں
لال ہے جوڑا، لال ہے گھوڑا — لال سارا لباس اور جوڑا

لال پاجامہ اور لال ہے کفش   اک کمر بند بادلے کا بہ نقش
طوطے کا رنگ سبز ہوتا ہے   اس کا یہ رنگ ہوش کھوتا ہے
کہا امرت مگھے تئیں کہ اے بہنا   آج کا ماجرا ابھی تو نے سُنا
آوے ہے اس جگہ یہ شہزادا   یعنی اب مجھ سے جیتے شرط کو آ
بولی امرت نیا بنا ہے جو باغ   اُس میں اب چل کے بیٹھیے بہ فراغ
اپنا اپنا سنگار سب کر، کر   خوب سا اُس کو کیجیے ششدر
گھوڑے کا حسن دیکھ جب اوسان   لا کے رکھ دیجو آگے تیر و کمان
ہوش ہوگا تو تیر مارے گا   آخر آپ ہی وہ شرط ہارے گا
تب شکر پارا خوش ہو کہنے لگی   لاؤ جلدی سنگار دالی مری

تبدیل نمودن پوشاک شکرپارا و پوشیدن جواہر تیاری مکان ساختن

کشتیوں میں لگائیں پوشاکیں   اور جواہر بھی آگے لا کے رکھیں
آئینہ قدِ آدم اور شمعدان   رکھ دیں ہر در میں لا کے خوب اور صاف
آب سے گلرخوں کے گُل سیراب   جیسے معشوق پی کے بیٹھیں شراب
اور پھر اُس پہ جب چراغاں ہو   جھرمٹ انجم کا سا نمایاں ہو
ہے لبِ آب یہ جو بارہ دری   اُس کو نقاشی کر بنا دیا پری
چھتیں، پردے ہوں سائباں تیار   مندیں، تکیے، مخملی، گلدار
بادلے سے منڈھیں ستون ایوان   جس سے شرمندہ ہو مہِ تاباں
کوٹھوں کی کھڑکیاں ہوں زنگار رنگ   دنگ ہوں دیکھ جن کو اہلِ فرنگ
فرش، فراشوں نے کیا تھا وہیں   کہا کھمبوں سے کھینچو اُس کی چقیں
پنکھے فراشی کے کھینچے ڈوری   کھینچے پر حور بیٹھے اک گوری

سرد پنکھے کی ایسی آئے ہوا   کریں آرام جو نسیم و صبا
شامیانے کی کھینچ دیویں طناب   فرش کر دیں چبوتروں پہ شتاب
مسند اور تکیہ بادلے کے سفید   آسماں سے گرے جو مہ بھی دید
ہوں رو پہلے منقّش بادلے سب   جھاڑ بوٹے تمام منڈھ دو اب
منڈھو جتنے درختوں کے ہیں ڈال   چاندنی کے نظر پڑیں جو نہال
عطرداں اور گلاب پاشیں ادھر   عطر سے اور گلاب سے رکھو بھر
پیک داں اور رومال اور مرچھل   ہو دیں موجود سب یہاں پہ محل
ہو جڑاؤ چھپر کٹ اس پہ غلاف   وہ منقّشی ہو اور بچھونا صاف
تکیہ بھی نرم نرم چاروں طرف   کریں نرمی کو برگ گل کی تلف
طاقچوں میں تمام شیشۂ و جام   اور خوانوں میں خوش مزے کے طعام
میوے تر، خشک اب مہیا ہوں   جی چلے جس پہ سب مہیا ہوں
آفتابے، چلمچیاں بدری   دور کونوں میں رکھ دو لاکے ابھی
گنجفے خانوں میں رکھیے لاکر   اور مسند پہ لا رکھو چوسر
حوض لبریز، چھوٹیں فوارے   نور جوش اس زمین سے مارے
روشیں باغ کی مصفا ہوں   پٹریاں ان کی ماہ سیما ہوں
آب پاشی ہو چمنوں میں یکبار   مینھ کی پڑتی ہے جس طرح سے پھوار
صحن میں گاڑ دو لاکے کھمبے لال   لال ریشم کا جھولا دو اک ڈال
سرد کو بادلوں سے اب منڈھ کر   آج کر ڈالو بس پری پیکر
بنے چمپا یہ اور مولسری   وہ زری پوش حور اور یہ پری
کیجیے شیشہ محل کو رنگ آمیز   شیشے ہوں حوض رنگ کے لبریز
ان کے پیچھے کھڑی ہو اک تصویر   دفتر حسن کی ہو وہ تفسیر

روش اور پٹڑی کی ہر اک تحریر | زعفراں زار سے بنے کشمیر
زعفراں جب کھلے یہ ہوئے بہار | جیسے دولہن کرے ہے اپنا سنگار
جھڑے جس وقت گل کے ہار سنگار | اُس میں نوشہ کے رنگ کی ہو بہار
دیوے بُو اس طرح کی مولسری | کہ نہ خوشی ہو اُس کے بیچ ذری
رنگ ہر گل کا زعفرانی ہو | جس طرح سے نئی جوانی ہو
ایک طرف باندھنوں کی گل مہندی | اور داؤدی اک طرف کو کھلی
جعفری کی بہار ہو دن کو | شب کو بُو دیوے خوب سی شبّو
لالہ کے گرد ہووے نافرماں | شعلہ پہ جیسے دود ہو قرباں
بیلا البیلا، موتیا موتی | شبنم اور ہو صبا فدا ہوتی
موگرا اور چنبیلی اور رابیل | چُنیں کلیوں کو مالنیں اٹھکیل
سرو اکڑے ہوں جیسے بانکے جواں | آنکھ نرگس کی شرمگیں حیراں
ہکیں سنبل کی زلف کے سب مُو | اور شگوفہ دکھاوے سرخی رو
جس کا موسم نہ ہو وہ بار لاوے | بے ثمر بھی یہاں ثمر لاوے
گر نہ نرگس کا ہووے موسم یاں | موم کے لاکے رکھ دیں نرگس داں
نہ رکھے پھل جو نخل میوہ دار | موم کے میوے سب میں ہوں تیار
بولی آمرت کہ کوڑھ ہے تو بہن | شاہ، شہزادوں کے نہیں یہ چلن
ہوں جواہر کے گل سبھی تیار | اور جواہر سے نخل لادیں بار
بولی وہ بہینا تجھ سے دل ہو کباب | چاہتی ہوں کہ ہو شتاب، شتاب
پھولوں کے کونڈوں سے کھلے سب باغ | ہو معطر جو اُس کی بو سے دماغ
نخلخے عود سوز ہوں روشن | جن کی بُو سے مہک اُٹھے گلشن
لالہ و گل سبھی نمود کریں | نخل بھی جھک پڑیں سجود کریں

باغ کے گرد جیسے ہے دستور — تاک ہو دار بست اور انگور
اُس کے سایہ میں جانور بولیں — وصف میں باغ کے زباں کھولیں
باغباں قینچیاں لئے دن رات — نہ بڑھے بے قرینے جو اک پات
مرغ یک بار جھپے میں آئیں — پنجرے ہر جانور کے واں لٹکائیں
شعر کتنے جو ہیں گلستاں کے — سو مناسب ہیں حال کے یاں کے
گل سرخش چو عارض خوباں — سنبلش ہمچو زلف محبوباں
ہم چناں کز نہیب بردہ عجوز — شیر ناخوردہ طفل دایہ ہنوز
روضۂ ماء نہرہا سلسال — دوحۂ سجع طیرہا موزون
آں پُر از لالہ ہائے رنگا رنگ — دیں پُر از میوہ ہائے گونا گوں
باد در سایۂ درختانش — گسترانید فرش بوقلموں
یہ سماں باغ کا یہ فرش و لباس — راگ اور رنگ کا بھی کر لو قیاس
جلد لے ساز آن بیٹھی پاس — گانے والی ہے نام جس کا ہلاس
وہ لٹکتی ادا سے اک آئی — طائفہ اپنا سب کا سب لائی
ٹھوکروں سے اڑاتی کوئی دامن — کوئی پشواز کی دکھاتی پھبن
کوئی تلووں سے ملتی تھی دل کو — کوئی ہاتھوں سے پیسے گھائل کو
اک ادا سے کیا کسی نے سلام — کرے اک مسکرا کے کام تمام
آپ سب سے قدم بڑھائے ہوئے — آستیں کہنی تک چڑھائے ہوئے
منہ پہ کچھ بال بکھرے بکھرے سے — ناز سے بات دو گھڑی میں کرے
سو ہے پھر یا لطیفہ یا ایہام — نہ کہ فاحش کھلے ہوئے دشنام
چھنگلیا ہاتھ کی اور انگوٹھا — لال سا کر رکھا تھا مہندی لگا
لال سکمہ وہ اور ادھر فندق — غنچہ و گل کے دل کو کرتا شق

پاؤں میں بھی اگر ہے تو ہو کنک — یا وہ سونے ہی کے کڑوں کی چمک
نیفہ گوٹے لگا وہ پاجامہ — چیرہ بند اور پہنے کیا جامہ
سر پہ گلنار اُس پہ اک دستار — ناچ یوں جوں کہروا ناچیں کہار
کمر اور کو لا اپنا مٹکائے — اور کمر باندھ قتل کر جاوے
کبھی دکھلائے اپنا انگوٹھا — کبھی رکھتے کمر پہ ہاتھ کو لا
ناچنے میں جو لیوے چک پھیری — کہے گردوں کہ عقل گئی میری
گنگری لے جو ٹیپہ گانے میں — تو رہے کچھ نہ جان جانے میں
نام لے کر دہ دم ذکر دے بند — ناز سے ہنس کے دل کرے خورسند
ٹھمری اُس کی پڑے وہ جس دم کان — جائیں جنگل کے ہرنوں کے اوسان
جتنے بیٹھے تھے سب کو تھی حیرت — گل کی پتلی اور اک عجب صورت
اب سُنو آمرت اور شکر پارا — کس طرح بیٹھی تھیں بناؤ بنا
چاہیے ہو مکاں سے خوب مکیں — زر کی انگوٹھی کا ہو لعل نگیں
کرسیاں دو جڑاؤ بیٹھیں بچھا — آئینہ لے کے پھر سنگار کیا
کنگھی کی ڈالا تیل بالوں میں — اور اُبٹنے ملے تھے گالوں میں
ہوئی مشاطۂ قضا بھی دال — آن کر بال بال پر قربان
شام بالوں کے صدقے ہونے لگی — صبح گالوں کے صدقے ہونے لگی
عنبر اور مشک کو صبا چھانے — سر دتک چاک ہو بنے شانے
چولی میں سُرخ بادلے کا ٹبانت — شفق ابر سیہ کے جوں اطراف
جب وہ گردن کی ڈوری سو جچی — بدلی میں دامنی سی اک دمکی
صندلی جوڑے دو بہن یکساں — بیٹھیں یکرنگ دونوں ہو اُس آن
درد سر دو جہاں کو بھول گیا — روز غم آسماں کو بھول گیا

چمکی سنجاف جب تمامی کی برق کو بھی لگی وہ آن بھلی
صندلی جوڑا اور وہ در دامن سیر اور نیم سیر کی تھی پھبن
صبح کو جوں شفق ہو ہلکی سی اور چمکنے کہیں لگے بجلی
بھاری کمخواب کا وہ پاجامہ کیا کرے اُس کو اب رقم خامہ
پھول اور بیل ہو کے سیم و طلا آن کر اُن کے ٹانکوں سے لپٹا
اوڑھنی سر پہ اُس کا بھی یہ بھاؤ زر کے پھولوں سے تھا بنت کا بناؤ
انگیا بھی ایسی ہی رکھے تھی چمک جاوے سورج کی آنکھ جس سے جھپک
اور کہوں کیا میں جو تھا بند ازار لپٹا آکر کمر سے زر زیں مار

چڑھی مستی چبائے اوپر پان دل جلوں کے دکھایا خوں کا نشان
دیا آنکھوں میں سرمہ اور کاجل کہ دھواں سا جگر سے نکلا جل
کان میں بالے لعل و گوہر کے ہوش کھو دیں جو ماہ و اختر کے
کہے بالے کو دیکھنے والا ماہ پر اختروں کا ہے ہالا
لڑیوں کے موتیوں کا اک گچھا کہ ثریا جسے کہے اچھا
مرکی پہ موتیوں کا وہ عالم گرد نرگس کے جس طرح شبنم
تھے کرن پھول اور وہ جھمکے جس طرح پھول کوئی کنول کا کھلے
نورتن بازوؤں میں تھے دو، دو گریں بسمل جو دونوں عالم کو
موتیوں کی گلے میں تھی مالا کیا چھاتی پہ حسن نے ہالا
دھکدھکی کی جدا سبھوں سے سج جھمکے دریا میں جس طرح سورج
ہیکل اک لعل کی پڑی تھی یوں گٹھے کا ہار جوں کسی کا خوں
جگنو ہیرے کی اور وہ چمپا کلی کہکشاں، مہ پہ جوں لگے ہو بھلی
بینے اور ٹیکے کا بڑا سا سہاگ اُسکے ماتھے سے اُسکے جاگے بھاگ

موتیوں سے بھری تھی مانگ تمام صبح کے تاروں سے بھری تھی شام
لخت دل جمع کرلے کتنے ساتھ گر جہانگیری پہنے اپنے ہاتھ
پاؤں میں جو جڑاؤ تھے پازیب کیا کہوں میں جو کچھ تھا اُسکے زیب
موتی اور لعل پاؤں پڑتے تھے ایڑیاں زہرہ و مہ رگڑتے تھے
ہالا تصویر شاہ کا ہے نشاں پاؤں میں سونے کا کڑا تھا یہاں
پہنے کے پور پور میں چھلّے دل چھلا دے گا جس سے وہ چھل دے
گہنا ہر ایک عضو کا تھا درست اور پوشاک خوب تنگ اور چست
تھے درست ایسے اُسکے سب اعضا حسن گویا کہ کوٹ کوٹ بھرا
چتون اور جنبش ابرو کی ویسی کیا کہوں نتھنوں کی پھڑک کیسی
ہاتھ کے اور کلائی کے حرکات دونوں اک قہر یا غضب ہیہات
تختی اور چھب کہوں کہ اُسکی گات ایک سے ایک اُن میں خوش حرکات
اوڑھنی اوڑھنے کی کیجئے ادا یا پہن جوڑے باندھنے کی بلا
بُنیا، ٹیکا وہ کنٹھا یا وہ لڑا یا وہ کنٹھا ہر اک جواہر کا
یہ سنگار اپنا سب بنا یکسر کھیلنے بیٹھے تھے بچھا چوسر
مور چھل زرنگار دو حوریں سر پہ دونوں کے ایک بار کریں
تھا اسی چوسر میں تھی یہی باہم جیتے گا شرط طوطی اب یا ہم
دی تھی طوطی کی بازی آمرت کو اپنی بازی کو کھیلتی خود وہ
مہندی پاؤں میں دونوں کے بھی وہاں بیٹھیں آ کر لگانے دو پہ یاں
مہندی میں مچھلیوں کی تھیں سیریں خوں کے دریا میں مچھلیاں تیریں
یہ غزل گاتی تھی ہلاس پکار جس میں حسرت کے تھے سبھی اشعار
دل میں کس کا خیال رہتا ہے رات دن کچھ ملال رہتا ہے

عشق میں رو پر شغل ہاتھ آیا　　نت خیالِ وصال رہتا ہے
اُس کے ایّام ہجر میں ہم کو　　زیست سے انفعال رہتا ہے
دھیان کرتے ہیں یاد کر اُس کو　　یہی اپنا تو حال رہتا ہے
بید مجنوں ہوں باغباں مت پوچھ　　بے ثمر یہ نہال رہتا ہے
بال شانے کے ہاتھ میں مت دو　　جی پہ میرے وبال رہتا ہے
عشق رہتا ہے یا خدا کا نام　　زر رہے ہے نہ مال رہتا ہے
لشکرِ غم سے مزرعۂ دلِ آہ　　روز و شب پائمال رہتا ہے
عید ہے اُس کے ابرو کا جن کے　　نت نظر میں ہلال رہتا ہے
پہونچا شہزادہ اتنے میں جاکر　　دیکھا وہ روپ بزم میں آکر
ہوش دیکھ اس کے بس تمام گئے　　لیک بارے الوپ تھام گئے
گئے تھے سج سجا کے خوب الوپ　　جاکے آمرت کا دیکھا اور ہی روپ
دل میں بس باغ باغ وہ ہوکر　　بیٹھا جا دُور ایک کرسی پر
اُٹھ گئی شاہزادی کرکے ادا　　جاکے دالان میں کیا پردا
شاہزادے کا پھر پکڑ کے ہاتھ　　لائی ایواں میں آمرت اپنے ساتھ
کوئی دم تو رہے وہ سب خاموش　　تینوں چاروں میں کچھ نہیں تھا ہوش
پھر جو اوسان تھوڑے سے پائے　　پوچھا آمرت نے آپ کیوں آئے
کہا راجہ دھنی نے ہم کو کہا　　کہ وہاں لاؤ جاکے شرط بجا
گرکہ پردے میں تھی وہ ماہ جبیں　　شمع فانوس میں چھپے ہے کہیں
بیٹھا باہر یہ مہر زریں تن　　کھل گیا ابر، دن ہوا روشن
پردے میں پر ہوئی وہ شرط بیاں　　رکھ دیا لا کے آگے تیر و کماں
یعنی دولہا دلھن لگائیں بہ فرق　　دیکھیں کس کا ہو تیر سنگ میں غرق

جس نے اس شکل تیر کو مارا   شرط وہ جیتا دوسرا ہارا
بولا طوطی کہ میں تو جی ہارا   تیر ماریں یہی شکر پارا
بولی آمرت کہ تم ہو باتدبیر   چاہیے پہلے تم لگاؤ تیر
بولا شہزادہ دیکھوں میں پہلے   ہاتھ سے ان کے کیسا تیر لگے
میں بھی اک تیر پھر لگاؤں گا   سنگ میں غرق کر دکھاؤں گا
شاہزادی نے کھینچ کر اک بار   مارا پتھر میں تیر تا سوفار
شاہزادے نے دے کے دل کو قرار   مارا تیر اور سنگ کے گیا پار
آفریں، آفریں کا شور اٹھا   بولیں سب شاہزادہ جیت گیا
باتیں پھر واں تو شادی کی چلیاں   مچیں آپس کے بیچ رنگ رلیاں
ناچ دیکھا، پیے شراب کے جام   لگے ہونے سمعے اور ابہام
پھول اندر سے پھینکتی وہ اسے   مارے باہر سے چاہتا یہ جسے
تھے پری رو ہر اک تماشا بیں   بلکہ تھا سب گھر اک تماشا بیں
کوئی چلون سے جھانکتی تھی آ   کوئی پردے سے بیٹھی منھ کو چھپا
کوئی غرفہ سے سر نکالے تھی   کوئی اپنے تئیں سنبھالے تھی
شامیانے کا پکڑے تھی کوئی بانس   کھڑی لیتی تھی کوئی ٹھنڈی سانس
کوئی اشارہ کسی سے کرتی تھی   کوئی بی بی سے اپنی ڈرتی تھی
جھپکی آنکھ کو کسی کی لگی   شل نرگس رہی جھپک سی کھڑی
راگ کا اک طرف تھا خوب سماں   اک طرف مرغ باغ نعرہ زناں
کوئی طوطا پڑھا سناتی تھی   کوئی مینا کو لے دکھاتی تھی
مست سب بزم اور سبھی مدہوش   جس جگہ دیکھو حسن مارے جوش
گھڑی دو چار بیٹھا شہزادہ   ہوا چلنے کو پھر تو آمادہ

کہا چھپتا ہے سورج اور ہوئی شام　　عطر پان لے اُٹھا نہ کھایا طعام
بولی امرت، اٹو آپ تم بیٹھو　　بولا وہ اپنے دیو سے بولو
سُن کے اُس نے کہا بھلا جی بھلا　　ہم تو لیں گے پھیر تم کو گیا
دو، دو باتیں وہ کر کے گھر آئے　　دونوں کے داغ دل پہ دھر آئے
رام چندر نے آ دھرا ئی لگن　　لوگ بیٹھے سبھی براتی بن
ہوئے بازار کوچے آئینہ بند　　بنیے، بقال تک سبھی خورسند
تھان کمخواب، بادلے کے تمام　　ڈالے دُکان داروں نے لب بام
فرش رہ سب کے مخمل اور کمخواب　　بادلے خیموں پہ منقیشی طناب
بادلے نیوں کا ہر دمہ سایہ بان　　چاند، سورج کی ہر طناب کرن
سونے، چاندی کی چوبیں خیمے کی　　مسند اک زرنگار اُس میں بچھی
تکیہ زر بفت اور فرش نفیس　　شمعدان سونے، چاندی کے دس بیس
شمع مومی پہ سبز ہر فانوس　　دھانی جوڑے میں جوں پری کا جلوس
جگمگاتے ہوئے بلوریں جھاڑ　　تھے تجلی سے طور کے وہ پہاڑ
پاندان اور پھول عطر و گلاب　　پان سپاری نہیں تھا جسکا حساب
کھانے کے پخت جا بجا اقسام　　بٹے ہر جا مٹھائی اور طعام
مشکیں مے کے اِدھر لگیں ڈھلنے　　جام کا دَور اُدھر لگا چلنے
وارد گولی تھائے کا یا ہوا دَور　　ہو گئی پل میں مجلس اور کی اور
شیشوں میں رنگ رنگ کی تھی شراب　　سینوں پہ دُشمنوں کے دل تھے کباب
زر کی نقار خانہ میں پڑی جھول　　اور بناتی غلاف تھے معقول
سر پہ نقارچی کے اک سرپیچ　　اور تہ بندی کا کمر بند پیچ
کرتیاں تھیں بناتی پر اس طرز　　تور تھے سب فرنگی اُن کے دور

برقِ گردِ شفق تھی جلوہ نما — گڑیوں کا بناؤ تھا یہ بنا
زیر و بم سے جو بجتا نقارا — آتی تھی نرم گرم خوب صدا
بجتی قرنا اِدھر اُدھر شہنا — دونوں کی دلفریب ایک صدا
گال سُرنا جی کے گئے تھے پھول — اور شہنا تھی خوشبو کا اک پھول
راگ شہنائی جب شہانا گائیں — مُردے کو گور سے اُٹھا کے جلائیں
بجتے تھے اور بجتے تھے باجے — نہ سنیں گے وہ خواب میں راجے
طبلے، سارنگی، ستار اور مردنگ — ڈھول اور جھانجھ، بین اور مرچنگ
ناچنے والیاں جو ناچیں تھیں گت — نہ تھی اُس ناچ کی پری کو سکت
گھنگرو کی پاؤں سے صدا آوے — ہاتھ اُٹھانے میں چرخ ہل جاوے
یہ قیامت کرے تھی برپا — تم بازنی کی آوے اُس سے صدا
کوئی طنبورے کا بجاوے تار — ڈھمڈی ساتھ کوئی بجاوے ستار
کوئی گاوے پکھاوج سے مردنگ — کوئی قانون و عود اور کوئی چنگ
کوئی دف لے بجاوے کوئی رباب — دائرہ لے بجائے کوئی شتاب
کوئی نیچے کیے تھی اپنی نگاہ — جھانکے کوئی آسماں کے اختر و ماہ
آسمان و زمیں میں کوئی اُس آن — نہ فرشتہ بحال و نہ انسان
کوئی غمزہ دکھا کے لیوے جی — کوئی بے جاں کو بخش کے دیوے جی
پر جو ناچ ساتھ تھا سنگیت — کوئی گاتی تھی پچھلے وقت کا گیت
کوئی لہروے کا کرتی تھی ساماں — کوئی نٹوں کا ناچ ناچے وہاں
کوئی گھونگھٹ میں منہ چھپاتی تھی — کوئی کچھ دور سے دکھاتی تھی
کوئی بڑھے، کوئی پچھلے پاؤں پھرے — کوئی گھونگھرو لے جیسے چھاؤں پھرے
جی چلا جائے سب کا اُس کے ساتھ — چار سو اُس کے چٹکی کے ہاتھ

بھاؤ تبلا کے ناچے کوئی اِس طور — رقص میں لائے زہرہ کو فی الفور
بادہ سے بادہ نوش سب رہے جھوم — رنگ سے ہولی کی مچی اک دھوم
بس کہ اُڑتا تھا واں عبیر و گلال — چھا گیا آسماں پہ بادل لال
لال جوڑے کناری گوٹے لگے — برق سی لالہ کے چمن میں پھرے
اور دوپٹے جو تھے تمامی کے — جگمگاتے تھے چاند سورج سے
تھے وہ کمخواب کے جو پاجامے — ایک طلسمات تھے وہ پاجامے
ٹانگیں اُن سے ہوئیں مغرق کل — سَرو پہ لپٹے آگئے رنگیں گل
زر کے لچھے تھے اُن کے بند ازار — رکھے جال نقش اور بہار
جھمک انگیا کی تھی بہ ایں دستور — کُرتیں جیسے بنی تھیں قُبّۂ نور
سنگترہ سنگ تھے اگرچہ بنام — لیک سختی ہوئی تھی اُن پہ تمام
موتی اور لعل کا تھا کون بیان — جمع آکر ہوئے تھے بحر اور کان
کوئی سونے کی حلقۂ تسخیر — دام ہر دل کا سونے کی زنجیر
پھولوں کے ہار ہو گلے کے ہار — پھولوں کی چھڑیوں کی وہ طرفہ مار
کسی کو فرش میں کسی نے رسیا — کفش رکھے کسی کے کوئی چرا
کوئی ڈھلکاتی پیالے دے خالی — کوئی جھنجھلا کے دے اُسے گالی
ایک نے دامن ایک کا باندھا — جو اُٹھے تو اُٹھی یہ تالی بجا
چٹکی لے ایک مارے اک ٹھٹے — ٹھکے اک مارے اور اک دُکے
لڑکھڑا کر نشہ میں گر پڑے ایک — کاندھے پہ ہاتھ اُسکے دھر اُٹھو ایک
گرنا، اُٹھنا وہ ناز تھا سارا — چھٹے مجلس میں جیسے فوّارا
ایک نے کپڑے لے کسی سے مانگ — بیٹھے بیٹھے لی آئی اودہی سانگ
اک کنھیّا بنی تھی اک کسجا — کردیا مست بانسری کو بجا

کاہنجے سے یہ کسجا ہنس کے کہیں   اپنی رآدھا کو آپ یاد کریں
یہ غزل سب کی تھی زباں پہ یاد   کیسی مل دیتے تھے مبارکباد

غزل

بنڑے کو یہ لگن مبارک ہو   بنڑی کو سب برن مبارک ہو
بنڑا ہے سَروِ بنڑی غنچۂ گل   دونوں کو یہ چمن مبارک ہو
بلبل اور قمریاں غزلخواں ہیں   اُن کو یہ قبہٴ صحن مبارک ہو
بزم میں ساقی دیوے بھر بھر جام   لال سا یہ رتن مبارک ہو
آئی پھر بوستاں میں بادِ بہار   اُس کو اپنا وطن مبارک ہو
بنڑی دیکھے بنے کو آنکھ اُٹھا   سب کہیں انجمن مبارک ہو
کہے بنڑا بنی سے ہنس کر بات   اُسے غنچہ دہن مبارک ہو

شاہ کے لوگ تھے سبھی رنگیں   شہ نے جوڑے دیے اُنھوں کے تئیں
اور دُلہن کے یہاں دلا بھیجا   سب رعیت کو لہنگا اور پھریا
بھیجا دُولہن کو جوڑا اک بھاری   سب جواہر کی جس کی تیاری
کشتی سونے کی اک منگا کر تب   گہنے بھجوائے واں جڑاؤ سب
دُ شہ کے ہاتھ میں بندھا کنگنا   بر میں خلعت شہانا سر سہرا
باپ دولہ کا بھی جواہر پوش   اور کنور جی بھی تھے بجوش و خروش
ایک تھا شاہزادہ پھر ہوا شاہ   کہیے خورشید اب اُسے یا ماہ
سہرے سے ایسی اُسکے منہ کی پھبن   چھوٹے جس طرح مہرِ مہ کی کرن
رام چندر بنے تھے شہ بالے   ہار ڈالے گلے میں متوالے

خلعتِ زرنگار پہنے آپ اپنا خورشید سا بنائے روپ
گئے ساچق وہ لے دلہن کے گھر لے کے فوج و نشاں بہ کرّ و فر
کنول اور سرو اور آرائش ٹلیاں نقلوں کی تھیں، تھی خواہش
روشنی، جھاڑ، جھنجھنے کے پھول باغ کو دیکھ کر جنیں گئے جھول
دشت اور کوہ اُس سے باغ بنا دیکھ لالہ کا سینہ داغ بنا
جا بجا ٹٹیاں تھیں ابرک کی اُس میں تصویر ہر سمیں کی لگی
بے شمار ابرقی تھیں فانوسیں رنگ رنگ اُسمیں مومی شمعیں جلیں
شمعیں فانوسوں میں تھیں یوں دھریاں گویا شیشہ محل میں تھیں پریاں
یدِ بیضا سبھی تھے، پٹنیا نے پنجۂ مہر یا تو اُن کو سکھے
لگے سب چھوڑنے کو آتش باز چھوڑنے کا بنا رکھا تھا جو ساز
پھلجڑی اور انار اور ہتھ پھول دیکھ جن کو گئے ستارے بھول
دیولڑ لڑ کے دم لگے بھرنے چرخ گھن چکر آ لگا کرنے
جبھی مہتابیوں سے رات ہوئی جاہی جوہی سے چنپا مات ہوئی
فیلوں نے یکہ گری میں ٹکریں لیں آسماں پر ہوائیاں سی پھریں
یہ تماشا کہ گل تھی ایک میں گل چٹکی ہر اک پٹاخہ غنچۂ گل
چاندنی کا ہر ایک گل مہتاب چادریں نیلوفر کی جوں لبِ آب
لڑکے کہتے تھے یہ پکار پکار آج کل شب برات کی ہے بہار
شب برات و چراغ بر دیوار ہر در و بام کوچہ و بازار
از ہوائی و پھلجڑی مہتاب آسمان و زمیں شدہ گلزار
نوبتیں بجتیں اور بجنترے سب جاتے گاتے بجاتے خوش اُس شب
ساتھ ماہی مراتب اور نشاں پریوں کا ناچ اور تخت رواں

پالکی ہاتھی گھوڑوں کی اک دھوم — دیکھنے والوں کا بڑا ہی ہجوم
کوٹھوں پر خلق سب تماشائی — اور دولہ کی ماں کی رُسوائی
پائے چوبیں سے لنگڑا دوڑ آئے — لکڑی لے ہاتھ اندھا دیکھنے جائے
بہرا سن کر کہے کھلے مرے کان — گنگ چاہے کہ کھولے اپنی زبان
سونٹے بردار اور لیاول سب — کہتے تھے با قواعد اور ادب
نُل نقیبوں میں تھا بڑھے جاؤ — اک طرف باادب سگے جاؤ
سائباں دار نیلوں کی یہ شکوہ — جوں عمارت بنی ہو بر سر کوہ
دھوم کا بیاہ، دھوم کی ساچق — نور ہی نور ہر سے تھا یہ طبق
گرچہ شاہوں کے ہاں سدا دن رات — ہے سواری میں گھر میں عید و برات
کہیے ان کی برات تو کیا ہے — ہر جگہ اُن کو سب مُہیّا ہے
رسم کو تو بھی پہ ہوئے تھے سوار — ساچق اور کر برات کو تیار
لے کے ساچق گئے دُلہن کے گھر — دُھوم اور چُہل اندر اور باہر
پاندان، عطرداں سبھی گل دار — سونے چاندی کے اور مینا کار
راگ اور رنگ کو تو کیا جانچیں — جہاں ہر یاں سب آنکر ناچیں
گیا ہندی وہ لے بہ عظم و شاں — ہندی خوانوں میں آگئے فوج نشاں
بجیں نقارے اور نوبتیں خوب — اور تختوں پہ رقص میں محبوب
بادلے سے مڑھے ہوئے وہ تخت — کہے تو ماہ کے کھلے تھے بخت
روشنی، جھاڑ، پھول سب تیار — چھوٹیں ہتھ پھول اور ستارے انار
اور حاضر تمام آرائش — دل میں باقی رہے نہ کچھ خواہش
آگئے شہنائی سب نہانا گائیں — ساتھ اُن کے بجنترے بھی بجائیں
پیچھے نیلی اور اشتری دھونسے — گھر میں دولہ کے اس طرح پہنچے

واں ہوئی دھوم دھام باجے کی   آسماں سے صدا بہ عرش گئی
دولہ سے نیگ آمرتی نے لیا   آئی دُلہن کے پاس ہندی لگا
کہیں دولہ نے اُس کے چٹکی لی   بولی وہ کیا کہوں تجھے بیٹکی
جھانڈھا پھر کیا برن سارا   زور بنڑی بنی شکر پارا
جوڑا سسرال کا کیا بر میں   تھی یوسف سی لعل دگوہر میں
گہنے پہنے تھی بھاگ کی خاطر   جوڑا اور نتھ سہاگ کی خاطر
حلقۂ چشم ماہ تھا جوڑا   ہالۂ نور نتھ کا وہ حلقا
جوڑا بھاری سا اک پہن آمرت   بیٹھی محفل میں بن بنا آفت
ہندی ایسی اسی طرح کی برات   اب سُنو تم جو آئی بیاہ کی رات
بخشے دولہ کے لوگوں کو جوڑے   اور سرداروں کے تئیں گھوڑے
بھیجا ہر جا طعام و شیرینی   خود فروشی تھی اور خود بینی
بادہ نوشی تھی اور ناچ اور راگ   بنڑے اور بنی کا گانے سہاگ
بنڑی بنڑا جواہروں میں غرق   بیٹھی آمرت بھی تھی بہ زرق و برق
کیونکہ دولہ دُلہن سوائے برات   بیٹھی رہتی تھی جشن میں دن رات
دیوطو پال نے ہو بس سرشار   لیا آمرت کا بوسہ بس اک بار
دیکھی جب یہ انوپ نے حرکت   کہا اُو دیو! یہ تری قدرت
ماری اک تیغ کھینچ کر اُس کو   ہو گئے دو وہیں ایک دیو کے دو
دونوں کو اور ماری اک تلوار   کہ ہوئے دو وہیں دیو دو کے چار
چاہا چاروں نے مل بلا لائیں   اور ساری سبھا کو کھا جائیں
بولی آمرت یہ زرگری میں شتاب   یہ جو ہے سامنے ترے تالاب
اُسمیں کر دے وسطے کنول کو توڑ   اور جلدی سے اُسکو ڈالے مروڑ

اُس گھڑی بھونرا ہر ایک مرجا وے — دیو جی سے ابھی گذر جا وے
وہیں جلدی انوپ کو دوڑا — توڑ لایا کنول رہا نہ کھڑا
ملا اُس کو تو مر گیا بھونرا — دیو چلا کے بس زمیں پہ گرا
شادی میں اور شادی کا ہوا روپ — چڑھے امرت کے بیاہنے کو انوپ
ہوئے دونوں وزیر دونوں طرف — بندھی دونوں شہوں کی دو دو صف
جیسے ہو گئے جُدا، براتی جُدا — یہ تماشا جسے دکھائے خُدا
پہلے موتی کی آن پہونچی برات — اُس کی تو دھوم دھام کی کیا بات
بجنے لگی جھنکر جھنکر نوبت — زہرہ بولی کہ آج ہے عشرت
تھے براتی تمام فوج و سپاہ — دھوم تھی جس طرف تھی کرتے نگاہ
روشنی سے ہوئی تھی خیرہ نظر — باجوں سے گوشِ آسماں تھے کر
ستارے، آپے، فیلے، نقارے — اور آ گئے بجنترے سارے
چھوٹے ہتھ پھول انار جو سارے — تھے زمین آسمان میں تارے
بدھی نے بند کر کے در کو رکھا — شہ نے اک لعل اُسے دکھا دیا
لعل تھا ایک لعل وہ انمول — لطف نہیں اُسکو یاں جو دیجے کھول
اُترا گھوڑے سے جوں ہی شہزادہ — گھوڑے پہ ایک بھیل چڑھ بیٹھا
وال ہوئی گھوڑ دوڑ اور لگی کچھ ڈھیل — گرا گھوڑا زمین پہ اور بھیل
یہ تنگوں دیکھ گھر میں پہونچے آپ — وہاں مردنگ پہ لگی پھر تھاپ
ناچ تھا سب خوشی بہت تھی — جس طرف دیکھو تاتا تھیا تھی
دیکھتے تھے وہ روشنی کی بہار — اک پری نے محل سے آ اک بار
کہا اندر تمہیں بلایا ہے — وقت سنجوگ کا اب آیا ہے
ہوئے تقدیر کے لگن سے آ — ایک جا موتی اور شکر پارا

دورِ شربت پلانے کا جو ہوا　　ہر براتی کا منہ ہوا میٹھا
ہوئے اہلِ نشاط مست تمام　　مال و زر خوب سا ہوا انعام
پیچھے آئی الوپ کی بھی برات　　زور وہ دن تھا زور تھی وہ رات
وہیں امرت کے پاس جا بیٹھا　　زانو کو زانو سے بھڑا بیٹھا
ایک کے دل میں ایک کا تھا خیال　　سمجھے دونوں یہ شب ہو صبحِ وصال
وہ بھی لائے بجا تمام شگون　　تو نے نامن کا ذکر کیا میں کروں
آئینوں میں رُخوں کے منہ دیکھا　　رہا دیدار میں نہ کچھ لیکھا
صبحِ خورشید نے طلوع کیا　　مہرِ اُمید نے طلوع کیا
بھیرویں اور رام کلیاں گاتے تھے　　گانے والے سماں دکھاتے تھے
صبح کی باد تاروں کی وہ چھاؤں　　پھول بکھرے ہوئے وہ ہر اک ٹھاؤں
نیند میں آنکھیں سب کی جھک رہیاں　　کچھ خوشی کچھ اداسیوں کا سماں
پان سے سرخرو تھی ساری برات　　بیڑوں کے سبز فرش پر پڑے پات
بولنا اک طرف پپیہے کا　　آتی کوئل کی اک طرف سے صدا
شیشے شربت کے سالوں سے تھے منڈھے　　خالی خالی تھے ایک کونے پڑے
جام زر تھالیوں میں تھے واژوں　　پینے والوں کے سر نشوں سے نگوں
آوے خمیازہ اور انگڑائی　　کہے باہم ہر اک چلو بھائی
یہ پھٹے صبح کا گریباں چاک　　اور گریباں کھلے ہر اک بیباک
لائے ڈیوڑھی کے آگے دو چنڈول　　توڑ ڈالے دیے تھے پردے کھول
اک جواہر نگار اک زرّیں　　رُتبہ جو چاہتا تھا وہاں آئیں
دلہنوں کو اُنھوں میں بٹھلایا　　کاندھوں پر بھوئیوں کے دھروایا
مچی رونے کی ایک بار پکار　　دونوں کو لے چلے اُٹھا کے کہار

روئے ماں باپ دلہنیں روئیں — دیر تک رو رو جانیں دھواں کھوئیں
دولہا لے دلہنیں سوار ہوئے — ان پہ واں سیم و زر نثار ہوئے
نوبتیں بجتے آئے خیموں میں — دلہنیں اپنی لائے خیموں میں
تھے پلنگ اور وہ جڑاؤ جہیز — جس کو دیکھے نہ خسرو اور پرویز

کوچ نمودن راجہ نند بسوئے ملک خود و گذاشتن طوطی بخانہ راجہ دھنی و قتل شدن طوطی

اب بلاتا ہوں اپنا میں ساقی — عیش و عشرت انھوں کا ہے باقی
ساقی طوطی کی ہو چکی شادی — سب کو مے دی ہمیں شراب نہ دی
شادی میں تجھکو ہوش تھا نہ وہاں — ہو چکی شادی غم کا کیجے بیاں
دور میں آسماں کے شادی و غم — ہو گئے آئے ہیں ساقیا توام
کبھی دے ہے وہ بادۂ گلفام — کبھی بھرتا ہے چرخ زہر سے جام
یاں سے اب رونے کی کہانی ہے — چشم ہے اور خوں فشانی ہے
راوی کہتا ہے یوں کہ شادی بعد — گئی اک آن میں وہ ساعتِ سعد
نہ ملا تھا ہنوز کچھ آرام — شہ کو یاد آیا اپنے ملک کا کام
یوں دھنی سے کہا جو تھی حسرت — سو نکالی میں اب کرو رخصت
اور طوطی کے تئیں گلے سے لگا — کہا اللہ کو تجھے سونپا
چلا جس وقت شاہ رخصت ہو — دیا لشکر کے لوگوں نے بس رو
سب یہ بولے یہ بات خوب نہیں — کہا شہ نے کہ تھا قرار یوں ہی
ہم نے جو قول تھا کیا پورا — اس پہ وہ جانے پھر کرے جو دغا
ہاں کی بھی اک نشانی آئی ہے ہاتھ — چلے گی آمرتی او آپ کے ساتھ
بولا بدھی نہ جانے دوں گا وہاں — مگر اس کو شتاب بھیجو یہاں

ہوئے راضی وہ، اور یہ رونے لگی　　غم میں کڑھنے کے جان کھونے لگی
لوگ دیتے اُسے تسلّی اِدھر　　رویا طوطی اُدھر سے نالہ کر
اُس کو شہ نے کہا کہ غم تو نہ کھا　　لیں گے تھوڑے دنوں میں تجھ کو بلا
آمرلی کو جو دیکھا بے چارا　　روئی پھر لگ گلے شکر پارا
وہ گلے اُس کے لگتی تھی ہر بار　　روتی تھی پھوٹ پھوٹ ڈھاڑیں مار
غم سے سب کی ہوئی تھی طاقت طاق　　اُٹھی ہر چار سو صدائے فراق
کہتی تھی غم سے دل میں جانِ حزیں　　دیکھیں پھر دیکھنا ہو یا کہ نہیں
چھوڑ اُنھیں وہ غرض ہوئے راہی　　بڑھا قصہ ہوئی نہ کوتاہی
آسماں فتنہ پھر اُٹھاتا ہے　　اور ہی رنگ اب دکھاتا ہے
دولھا دُلہن کو بر سر تالاب　　دیا عالی مکاں بہ رنگِ حباب
اور شکر پارا کو کہا دلدار　　درمیاں رکھ کے سوئے ابھی تلوار
کر بھوانی کا پوجا آوے گی　　رخصت وصل تب تو پاوے گی
یہ تو بے ہوش اور تھی انجان　　لائی اُس کا بجا جو تھا فرمان
طوطی نے چاہا جب کہ کیجیے وصال　　بولی دُلہن کرو ابھی نہ خیال
پوجنا مجھ کو ہے بھوانی کا　　واں سے لے آنے دو ذرا ٹیکا
ابھی دونوں کے درمیاں رہی تیغ　　بعد ازیں وصل سے نہ ہوگا دریغ
بڑھا طوطی نے دُہرہ ہو مایوس　　گئی محنت ہی رائگاں افسوس
میری تیری یہ شکل ہے ہوتی　　جس طرح سے بلاق کا موتی

دوہرا:- سنمیت سمیت تج دوں اور تن پیمہ دن کمیس
ماھو نہ ادھ جائے سکون مار راوت میس (کذا)

پھر تو ناچار واں لگے رہنے　　ماجرے اپنے سب لگے کہنے

غم جو گزرے تھے اور گزرتے تھے — سو وہ مل کر بیان کرتے تھے
گہ اٹھاتے تھے نیش غم کے گزند — گاہ بوس و کنار سے خورسند
گاہ شکر خدا بجا لاتے — گاہ پھر وہ ہیں سوچ میں جاتے
گاہ تھے خوش و گاہ تھے دلگیر — سبھی عالم تھے عالم تصویر
باغ کو اُن کے رنگ سے حالی — اُن کو آپس کی دید خوشحالی
کہتی شہزادی میرا عشق ہے زور — تجھ کو میں رکھتی قلعہ کے اندر
میں بتاتی نہ تم کو راہ سرنگ — فتح کرتے نہ آپ قلعہ کی جنگ
میرے ہی عشق کی ہے یہ تاثیر — کہ یہاں تک تم آئے کر تدبیر
بولا شہزادہ راست ہے یہ سخن — پر سیکھے ہیں میں اس میں سو سو جتن
مجھ پہ اُستاد کا ہے یہ احسان — کہ ہر اک فن سے مجھ کو لایا یہاں
اُس نے چودہ برس مجھے پالا — بعد ازاں سب سکھا کے طاق کیا
جوگ کایا پلٹ سبھی دے یاد — پھر یہاں لایا مجھ کو وہ اُستاد
تیرا دیدار غم بھلاتا ہے — لیک اُستاد یاد آتا ہے
شاہزادی یہ سن کے بول اٹھی — آمری پر فدا ہے میرا جی
ابھی یادش بخیر آئی ہے یاد — بجلی سے دل کی میں سنی فریاد
یاد میں میری روتی ہووے گی — جان فرقت میں کھوتی ہووے گی
عید ہے مجھ کو یہ تری صحبت — لیک یاد آتی ہے بہن امرت
کبھی کہتے یہ باتیں جانے دو — دو دو پیالے شراب کے پی لو
آؤ جانی گلے سے لگ جاؤ — روٹھ مت جاؤ آؤ جی آؤ
کس لئے یہ مچا رکھی ہے راڑ — کھول دو جلد چھاتیوں کے کواڑ
بوسے لینے لگے چٹا چٹ سے — بندوں پہ ہاتھ ڈالے تھی جھٹ سے

سوچے پھر اور کہا کہ صد افسوس — سر پہ بیٹھے ہیں راجہ کے جاسوس
یاں سے سینے فلک کی جلا دی — اس کو بھائی نہ ان کی وہ شادی
ستم چرخ سے ہوا یہ کیا — جبیل کاٹنے کے تئیں دشمنی نے بلا
کہی پھر اس کے کان میں یہ بات — طوطی کے تو محل میں آج کی رات
کو نہ جا اور کٹار مار اس طور — کہ خبر ہو نہ اور رہے بس شور
طوطی اس عشق کی سزا پاوے — تیرا ناموس و ننگ بچ جاوے
عشق میں آخرش شہادت ہے — قتل ہونا ہی یہاں سعادت ہے
سنا ہوگا کہ پنجۂ شیریں — خوں سے فرہاد کے ہوا رنگیں
سینکڑوں عشق میں ہوئے ہیں شہید — لوٹنا خون میں جنھیں تھا عید
سنا ہوگا یہ دوہرہ پنجاب — بھرے آنکھوں میں جس کو سن کر آب

چلو سکھی اب دیکھن چلیے عاشق سولی چڑھدے
دوہرہ:- سولی چڑھدے ہنس ہنس دوں دے بولوں موں نہ کڈھدے

غرض اسے دن کے کانڑا وہ بدرنگ — آیا شب کو محل میں صورت سگ
پا کے غفلت میں شہ کو وہ نامرد — مارا خنجر کہ بس ہوا وہ سرد
واں سے جلدی پھر آپ بھاگ آیا — آکے مژدہ دشمن کو پہنچایا
خوش ہوا وہ لعین سن کے یہ بات — چونکہ شہزادی بس وہیں ہیہات
دیکھا طوطی کو آیا اور ہی خواب — اب ادھر سے لیا ہے منہ پہ نقاب
تن بے جاں وہ دیکھ کہنے لگی — ہائے پنجرے سے اڑ گیا طوطی
پڑھا خسرو کا دوہرا یہ اس آن — جسکے سننے سے جائے ہے اوسان

گوری سووے سیج پر اور مکھ پر ڈالے کیس
دوہرہ:- چل خسرو گھر آپنے سانجھ بھئی چہوں دیس

پہونچے اپنی مراد کو بھی نہ ہائے — کہ گیا جی سے مفت میں صد ولئے
ہوا ماں باپ سے جدا افسوس — شہر بھگا نے میں ہوا افسوس
میں دلھن ہوں نویلی کیا کروں اب — کس سے احوال اپنا جا کہوں اب
ابھی دلہن تھی بن کے آئی میں — اتنے میں رانڈ بھی کہائی میں
داغ دولہا کا لے کدھر جاؤں — موت آوے کہ میں بھی مر جاؤں
چپکے چپکے وہ روتی تھی ہیہات — کہ اسے یاد آئی بس یہ بات
کہا تھا اس نے میں کسی کے گھٹ — چاہوں تو جاؤں کر کے کایا پلٹ
چھوڑ اس جسم کو گیا ہووے — اور کے گھٹ میں وہ تو کیا ہووے
واہیں صندوق ایک کر کے تلاش — اس میں رکھی چھپا کے اسکی لاش
پھول و کافور اور بھر کے عبیر — لاش اس کی چھپائی کر تدبیر
صبح کے تئیں اٹھی تو وہ غمگیں — پوچھا بعضوں نے جان بوجھ وہیں
خیر ہے اشک کیوں بہاتی ہے — ماتمی شکل کیوں بناتی ہے
کیوں اتارا سہاگ کا جوڑا — چوڑا کیوں اپنے ہاتھ کا توڑا
ناک سے نتھ کو کیوں رکھا ہے اتار — ٹکڑے کیوں کر کئے گلے کا ہار
سائیں کی تیرے مانگ ہے وہ کدھر — بی بی بتلا ہمیں نہیں ہے خبر
بولی سر پیٹ ناک تباہ ہوں — کس سے پوچھوں میں اور کدھر جاؤں
رات کوئی اس کو آ کے مار گیا — مردے سے ڈر کے لاش دی میں چھپا
میں تو کچھ بات کہہ نہیں سکتی — کیا کروں چپ بھی رہ نہیں سکتی
پہونچی راجہ کے تئیں خبر یہ جو — کہا بیٹی سے آ کے اتنا نہ رو
بات پہونچی انند کے جو یہ کان — قتل سب کو کرے گا اس آن
سنے گا وہ تو ہم کہیں گے یہ بات — دیوزادوں میں سے کوئی اک رات

کھا گیا یا کہ لے گیا ہے اُٹھا   لیا طوطا پال دل کا بہلا
تب وہ سمجھی یہ باپ کا ہے کام   اُس نے مجھ پہ ستم کیا ہے تمام
سوچ کر جی میں کچھ خموش ہوئی   دل میں لیکن سیاہ پوش ہوئی
بیٹھی زانو پہ غم سے سر کو جھکا   کسی نے کچھ جو پوچھا تو نہ کہا
اور کہا بھی تو آہ کچھ کا کچھ   کوئی کچھ سمجھا کوئی نہ سمجھا کچھ
آنسو آئے تو پی گئی چپکے   نیند آئی تو پڑ رہی چپکے
کھانا لائے تو اک نوالہ لیا   پانی لائے تو ایک گھونٹ پیا
پایا گوشہ کہیں تو پھر اک بار   رونا فریاد کر پکار پکار
بیٹھنا جا کبھی جو بر لبِ آب   کرنا رو رو کے اشک کا تالاب
جلوہ گر پھر ہوا جو اُس جا ماہ   داغ دل کا دکھایا بھر کر آہ
کوئی لایا جو بادۂ گلگوں   وہیں بھر لائی اپنی چشم میں خوں
کبھی دیکھا جو گل کا رنگ اور ڈھنگ   کیا اشکوں سے رُخ وہیں گلرنگ
سرو کے ٹک جو لہلہائے شجر   کہا مجھ میں بھی کچھ نہیں ہے ثمر
کبھی نرگس سے کہتی حیراں ہوں   کبھی سنبل سے میں پریشاں ہوں
کبھی لالہ کو داغ دکھلاتی   کبھی گل کو یہ باغ دکھلاتی
باغ میں ہر طرف اُداسی تھی   جس کو دیکھو تو بے حواسی تھی
پات مُرجھائے پھول کمھلائے   بے بری اپنی نخل دکھلائے
کبھی فریاد آ کے کرتے مور   روتیں گہہ آبشاریں کر کے شور
کبھی مثلِ صبا وہ اُٹھ پھرتی   کبھی فوارہ دیکھ اُٹھ گرتی
کبھی بکتی تھی جیسے دیوانے   آپ ہی آپ کہتی افسانے
بلبلوں سے کبھی تھا اُسکا خطاب   قمریوں سے کبھی تھا غم کا جواب

کبھی مرغانِ باغ سے کہتی — کیوں مری شکل تم کو چپکی لگی
ناگہ اک طوطا اک درخت پہ آ — بیٹھا اور اُس کے ساتھ بکنے لگا
چپکے رہتی تو ہوتا وہ خاموش — دیکھ اُس کو گئے تھے اُس کے ہوش
کئی دن جبکہ کٹ گئے اِس طور — دیکھا شہزادی نے نہیں کوئی اور
طوطا ہے یا غریب مَیں دُکھیا — عجز و زاری سے اُس کے تئیں یہ کہا
رات دن غم سے رہتی ہوں بیتاب — میاں طوطے گیا ہے میرا خواب
اتنی تم مجھ پہ مہربانی کرو — یاد ہووے تو کوئی کہانی کہو
بارے اک مجھ کو نیند آ جاوے — خواب آنکھوں کو شکل دکھلاوے
طوطا بولا میں آپ ہوں غمناک — اب کہانی تجھے سُناؤں خاک
مجھکو پھر جو کہانی آتی ہے — خواب آنکھوں سے وہ اُڑاتی ہے
جو کوئی یہ کہانی سُن پاوے — رُوتے ہی رُوتے اُسکی جاں جاوے
کہاں قصہ، کہاں میں یہ ناشاد — آپ بیتی کہانی ہے مجھے یاد
سو بھی اک دُکھ بھری کہانی ہے — سینہ ریشی ہے، خوں فشانی ہے
بولی شہزادی کہہ خدا کے لئے — یا کہ مجھ زار و مبتلا کے لئے
بولا طوطا کہ میری ہے مینا — وہ کہے تو کہوں سن اے مینا
پوچھا اس نے کہاں، کہا ہو ہیں — بولی پھر کہنے لگ شتاب کہیں

داستان گفتن طوطی پیش شکر پارا

ساقی لا یا وہ ارغوانی ہے — طوطے مینا کی یہ کہانی ہے
پی کے اب گفتگو میں مَیں آؤں — داستاں پچھلی پھر میں دُہراؤں
ہو کے کیفی کروں پھر اُسکا بیاں — بہکے لیکن ذرا نہ میری زباں

اب زباں کو مری روانی ہو   سب کی آنکھوں کو خونفشانی ہو
طوطا یوں داستان کہنے لگا   کہ تھا اُتر کا ایک شہزادہ
مجھکو رکھتا وہ پاس ہی ہر آن   بلکہ کہتا وہ مجھ کو جی اور جان
خجل اُس سے تھا ماہ چاردہم   سن تھا چودہ برس کا یا کچھ کم
لعل لب اُس کے آتش بے دود   کی تھی سبزے نے واں نہ اپنی نمود
مسیں بھی تھیں ابھی نہیں بھیگی   شبنم اُس برگِ گل پہ تھی نہ پڑی
خط سے خالی تھا صفحۂ رخسار   دُور رکھتا تھا واں خطِ گلزار
لالہ رخسار اور سنبل مو   چشم و ابرو میں سر بسر جادو
آفت اُس کی فرد تھی اور نگاہ   غمزے کی رکھتا تھا وہ فوج سپاہ
لب و دنداں تھے گوہر و مرجاں   زلف و رخ دونوں کفر اور ایماں
حرکات اُسکے تھے سبھی آفت   اک قیامت تھا سایۂ قامت
عربی، فارسی میں خوش گفتار   لب سے طوطی کی شکل شکر بار
صرف اور نحو، منطق اور معنی   یاد اُس کو نہ حرف لایعنی
طب و حکمت کے یاد اُسے قانون   چھوٹی سی عمر میں تھا افلاطون
رمل اور تھا نجوم سے آگاہ   اُس کی برج اور ستارے پہ تھی نگاہ
علم موسیقی میں بہت ہوشیار   گانے میں آپ تھا وہ ستار
چودہ علموں سے واقف اُسکی زباں   ہاتھ میں اُس کے علم تیر و کماں
ذکر اُس کا تھا رام یا کہ رحیم   خوب آگاہ سرِّ حق قدیم
جوگ کے علم سے بھی تھا آگاہ   اور کایا پلٹ بھی کرتا گاہ
یاں جو پہونچا تو سُن کے کچھ سوچی   قصہ پر من ہی من میں کچھ سوچی
پوچھا طوطے سے اُن کا نام تھا کیا   بولا تھا میرے نام سے یکتا

پوچھا کیا تیرا نام نیک سخن — بولا طوطے کا نام ہیرامن
نام سن کچھ بھلا وا سا کھایا — پر فراست کی راہ سے پایا
بولی پھر آ گئے کیا میاں طوطے — کہو کچھ، وقت کیوں ہو اب کھوتے
بولا کل رات بے خلل سنیو — اتنی اب سن لی اتنی کل سنیو
صبح ہوئی اور یہ فسانا ہے — اب ہمیں رکھو ہم کو جانا ہے
دے کے چٹکی رواں ہوا طوطا — یہ رہی روتی اور گیا طوطا
دن کو پھر اس کو بے قراری تھی — وہی فریاد و آہ و زاری تھی
لڑنا سب سے بہانا کر رونا — نہیں تو منھ لپیٹ کر سونا
کہتا ہے ہے یہ دن نہیں گھٹتا — یہ قیامت کا دن نہیں کٹتا
رات کب آئے کب کہانی سنوں — کب تلک شمع ساں میں سر کو دھنوں
سکھیاں جو دوست تھیں انھوں نے آ — اس کے تلووں سے اپنا ماتھا ملا
بیٹھی لے کوئی پکانے ہنڈکلیا — سیر ہوئی کوئی جی ہی میں غم کھا
کوئی کھلونے لگی دکھانے کو — کوئی لگی کہنے باغ جانے کو
کوئی لے بیٹھی کھول کر گڑیاں — کتنی بس چپکے واں ہی سے مڑیاں
پنجرا کوئی جانور کا لائی کہیں — کوئی بیٹھے ہے نے بجائے کہیں
کوئی ماتھا پکڑ ادھر بیٹھی — کوئی زانو پہ سر کو دھر بیٹھی
کوئی آ بیٹھ گنگنانے لگی — غم زدہ دل کا روگ گانے لگی
ایک نے جا نجو کا لیا گھیرا — اک جھنجھوٹی میں بول اٹھی دہرا

دوہرا: آج یہ سوتی پیا سنگ موری ایک حوری ہی جائے (کذا)
جا پہ چھور ہے وہاں کیوں کر رین سہائے

اک نے اک کوٹھری سے آ — آتا ہو چلمی لا کے رکھا

ایک اُٹھی اور اُن میں سے انّا
لا رکھا ڈرتے ڈرتے کچھ کھانا

ہاتھ، منھ اُس کا پھر دُھلایا کچھ
صدقے واری گئی کھلایا کچھ

لے چلی سیر باغ کو کوئی
خوش کرے تھی دماغ کو کوئی

باغ واں اور دل کو دیتا داغ
کہ خزاں سے وہ لُٹ رہا تھا باغ

حوض خالی تھے خشک تھی نہریں
نہ وہ موجیں تھیں اور نہ وہ لہریں

تھے جہاں گل وہاں پڑے تھے خار
زرد ہر برگ اور خزاں کی بہار

فرش اور مسندوں پہ گرد تمام
منھ ہوئے آئینوں کے زرد تمام

کہیں چھت چاندنی کی پھٹی تھی پڑی
سب عمارت کی تھی سفیدی جھڑی

کہیں دالان کے پڑے مرغول
پردے، چلمن کسی نے ڈالے کھول

میوے ہر اک شجر کے جھاڑ لیے
بوٹے گل کے سبھی اکھاڑ لیے

روشیں آب کا لے جاتا ہے
جس طرف دیکھو رونا آتا ہے

بیٹھ کر ایک حوض کے کونے
تا سحر وہ بھی آ لگی رونے

غرض اس طور سے وہ کاٹا روز
شب ہوئی لائی شمع بزم افروز

غم کی وہ آگ سے پگھلتی تھی
شمع کی شکل آپ ہی جلتی تھی

کہا سکھیوں سے اب کرو مت تنگ
گل کی جا گھر بچھا دو پلنگ

جا کے جلدی سے سیج پر وہ گری
جوں انگاروں پہ لوٹتا ہے کوئی

کروٹیں لیتی اور کرتی آہ
گل کے بوٹے کی دیکھتی تھی راہ

ناگہ جس دم بجے پہر پر دو
آن بیٹھی وہ تخت پہ پھر وہ

بولی خوش ہو کے میرا من آیا
اب دلا تیرا کام بن آیا

کہا اُس نے کہ پہنچے میرا سلام
پر بشرطیکہ قصہ کہیے تمام

وہ لگا کہنے بھیگنے دو رات
جی میں آیا تو کچھ کہیں گے بات

ہم تو اپنے غم میں مرتے ہیں ہم پہ بھی دن عجب گذرتے ہیں
دن کو جاتے ہیں ملک اُتر کو رات کو آتے ہیں پھر ادھر کو
پوچھا اُس نے یہ سُن بصد حیرت وال گئی ہے مری بہن آمرت
اُس سے بھی تم ہوئے نہیں آگاہ بولا وہ ہے آفتاب کے ہمراہ
کہا پہنچا دو گے کچھ مرا پیغام کہا اُس نے، نہیں یہ میرا کام
آدمی زاد ہیں تمام شریر کہیں ایسا نہ ہو وہ کرلیں اسیر
ہاں کبھی دوں گا جو فسانہ سُنا پھر اُنھوں نے اُسے فسانہ سُنا
کہا باقی کی اب کہانی کہو اور باتوں سے اب خموش رہو
پوچھا اُس نے کہاں سے چھوڑا تھا کہا حسن و کمال ابھی تو کہا
طوطا یاں آیا ہمسر گفتار کہا مینا سے مجھ کو ہے اظہار
بی بی مینا سنو وہ شہزادہ علم کا پورا جی کا تھا سادہ
کرتا اک دن خدا کا ہوتا ہے کچھ ہے بیدار، کچھ وہ سوتا ہے
کان میں پہونچی اُس کے یہ تقریر ہائے لاتا نہ کاش میں تصویر
اب اُسے دیکھ دیکھ روتا ہوں ہجر سے بے قرار ہوتا ہوں
کیونکے پھر اُس کا دیکھنا ہووے اپنا احوال دیکھیں کیا ہووے
تلب جاگہ رکھے ہو وہ تو مکاں کس طرح پھر پہونچوں گا میں واں
شاہزادے کے تئیں ہوئی حیرت دیکھی جا اُس کے پاس وہ صورت
وہ تو صورت نہ تھی قیامت تھی سحر سازی میں ایک آفت تھی
اُس کے آگے کروں سو کیا میں بیاں نسخۂ سامری بھی تھا حیراں
دیکھتے ہی وہ ہو گیا مقتول کیا تصویر نے یہ اُس پہ فسول
رنگ رُخ اُس کا زعفرانی ہوا جتنا خون جگر تھا پانی ہوا

اشکباری ہوا نہ تھا سروکار — دیدۂ خونبار مثلِ ابرِ بہار
اُس کا اُستاد اُس پہ تھا عاشق — لیک بے شبہ عاشقِ صادق
اہلِ ہوش اِسکو جانتے ہیں خوب — ایک ہیں دونوں طالب و مطلوب
اُس کے تغیرِ رنگ سے جانا — منھ سے اُس کے مرض وہ پہچانا
کہا اب کوئی اس کو تمنا ہے — اب پڑھانا کلیلہ دمنا ہے
چاہ اپنی تمام بھول گیا — چاہ میں اُس کی ڈوبا پھرتا یا
کہا تو ہی تو میرا طبیب ہے — تجھ کو پر اِن دونوں مرض کیا ہے
نکلے ہے ایسا تیرے دل سے دود — نیل لب ہو گئے ہیں جس سے کبود
مطلقاً دل میں کر نہ خوف و ہراس — مجھ سے کہہ دل کا حال بے وسواس
یہ ترا حسن اور جوانی ہے — میری کیا سب کی زندگانی ہے
زندگی اپنی کر نہ تو برباد — مجھ سے کہہ اپنا غم تو کر دوں دل شاد
یاں تلک پہونچا طوطیِ غمناک — کہ سحر نے کیا گریباں چاک
لگا کرنے طلوع پھر خورشید — داستاں سے ہوئی وہ بس نا امید
جانور اور بولنے لاگے — یاں طوطے وہاں سے اُڑ بھاگے
ہوئی صحبت وہ صبح آوارہ — رہ گئی رُو دن پھر شکر پارا
بے قراری ہوئی دو چنداں اور — جوں جوں اُس داستان پہ کی غور
کہا یہ جو شگوفہ ہے پھولا — یار کا اِس میں ہے پتہ ملتا
یہ جو کرتا ہے سب بیاں طوطا — کہے ہے اُس کی داستاں طوطا
جوں جوں کرتی ہوں داستاں کا میں چاؤ — تازہ ہوتا ہے میرے دل کا گھاؤ
جوں جوں دیتا ہے داستاں کو چمک — چھڑکے ہے اور زخمِ دل پہ نمک
روتے روتے گئے تو میرے حواس — زخم کو ہے یہ ریزۂ الماس

اور بھی رہتے سہتے نیند گئی ... تاب و طاقت ہی سینہ کی نہ رہی
ہائے نوشہ تھا کل بھلا چنگا ... دو ہی دن میں وہ اب فسانہ ہوا
کل کی ہے بات بیٹھے تھے باہم ... کہتے تھے دل کے اپنا اپنا غم
کبھی باتوں میں دل تھے بہلاتے ... کبھی ہنس ہنس گلے سے لگ جاتے
آج وہ جا کے گور میں سویا ... اور مرے جی کو داغ نے کھویا
کہہ کے یہ بات اُس نے اور رو رُو ... پھر خواصوں سے اک کنارہ ہو
ٹالا ایک ایک کو بہانہ کر ... دیکھی لاش اپنے دوست کی جا کر
دیکھا تو دو میں خون جاری ہے ... ابھی گویا لگی کٹاری ہے
روئی اور ڈر سے اشکوں کو پونچھا ... ڈھانپ صندوق اُسی طرح رکھا
آ کے منھ سر لپیٹ کر وہ پڑی ... بارے مدت کے بعد آنکھ لگی
خواب میں دو میں دیکھتی ہے کیا ... کہ یہ شہزادہ ہے اُسے کہتا
گو کہ ہم مر گئے شہید ہوئے ... نہ ملے ٹانکے اس ہوس میں موئے
زخم دیتا ہمارا کوئی سلا ... تو بھلا کرتے اُس کے حق میں دعا
زخم سینے سے گر شفا پاتے ... شکل پھر ہم کسی کو دکھلاتے
دیکھ یہ خواب چونکی وہ ناگاہ ... دل سے بے اختیار کھینچی آہ
دوڑیں سکھیاں ادھر اُدھر سے تمام ... ہوئی بس زندگانی اُس پہ حرام
خواب کو سوچ کر رہی خاموش ... لیک سرشار غم سے اور مدہوش
اِس طرف اُس طرف پھری تکتی ... پیٹے زانو کو، ہاتھ کو ملتی
چھیلتی ناخنوں سے سینۂ زرد ... غمزدہ، دل جلی، پریشاں گرد
اُس دن اُس نے نہ کھایا اک دانا ... لائے سو بار سامنے کھانا
غم کو کھا کھا کے اپنا پیٹ بھرا ... یہ کہا ہے گا اس میں زور مزا

مصلحت کو منگایا شب کو طعام   کھائے اک دو نوالے سو بھی بنام
کہا ان سب کو ہانک دیجے اب   زخم نوشہ کا ٹانک دیجے اب
زخم کو ٹانک اور رو دھو کر   پڑ رہی وہ جہاں تھا شب بستر
راہ طوطے کی پھر وہ تکنے لگی   اور سودائیوں سی بکنے لگی
دم بدم کہتی تھی میاں طوطے   رات اتنی ہوئی کہاں کھوتے
طوطا ہو تو جواب دے اس کو   نہیں تو اور ہے پڑی کس کو
دیکھتی جب کہ ماہ و اختر کو   اور ستارا شمار کرتی وہ
ماہ سے پوچھی اپنے ماہ کی بات   کبھی تاروں سے کہتی آئی رات
شب کا معمول تھا وہی جو قدیم   پہنچا آ طوطا وہی اس کا ندیم
بولا آ بیٹھ پھیر جگ جگ جی   شاہزادی یہ سن کے چونک اٹھی
بولی آ پہنچے تم یہاں مٹھو   بولی مینا کہاں، کہاں مٹھو
ہم کہاں، تم کہاں، کہاں یہ لوگ   یہ بھی قسمت کا ہو گیا سنجوگ
کہا دیر آئے تم تو آج بھی پھیر   کہا لگتی ہے آتے آتے دیر
پوچھا آئے کدھر سے اور تھے کدھر   کہا کیا بھول گئی وہی اُتر
کہا امرت کو پھر بھی دیکھا تھا   لگا کہنے کہ اُس سے مجھ کو کیا
کہا میری ہی بات کچھ کرتے   کہا انسان سے ہیں ہم ڈرتے
کہا پھر ہم سے کیوں محبت ہے   کہا ہم دونوں پر مصیبت ہے
کہا پھر رحم ہے اگر تم کو   تو بھلا باقی کی کہانی کہو
کہا ٹک ٹھہر لوں دو گھڑی دم لوں   تو مصیبت کی پھر کہانی کہوں
پوچھا دن کاٹتے ہیں آپ کدھر   کہا ماں باپ ہیں ہمارے جدھر
کہا ماں باپ کا بھی کچھ کہو نام   کہا کیا اُن کے نام سے تمہیں کام

کہا تو پھر یہ بات جانے دو — رات جاتی ہے اب کہانی کہو
کھینچ کر آہ بولا وہ ناشاد — کہاں چھوڑی تھی پھر دلاؤ یاد
بول اٹھی شاہزادی یکباری — اُس سے اُستاد کرتا تھا زاری
طوطا بولا کہ مینا پھر آگے — شاہزادے یہ کہنے کو لاگے
میں نے دیکھی ہے ہائے اک تصویر — ہو گیا ہوں وہ دیکھ شکل اسیر
تھی وہ اک شاہزادی کی صورت — نہیں صورت ہے جادو کی مورت
وہ جو تصویر کھینچ لایا تھا — سو برہمن تھا میرے باپ کا
سنا اُستاد نے جو یہ قصّا — اُس نے بابا سے اُسکے جاکے کہا
اس پسر کا کرو جو بیاہ تم آج — تو ملے اور ایک تم کو راج
راج اور ملک کا نشان کہا — اور کچھ خفیہ در بیان کہا
راج کی سُن کے وہ ہوا خوشنود — بیاہ پہ بیٹے کے ہوا موجود
اُس برہمن کے تئیں وہیں بلوا — سمدھی پر کر کے ایلچی بھیجا
نامہ اُس نے دیا اور اس نے پیام — باپ بیٹوں کا دونوں ایک ہی کام
ایلچی نے دیا وہ نامہ وہاں — واں سے پایا جواب تیر و کماں
تیر سا اُس کے دل میں اک لاگا — لڑتا اپنے نصیب سے بھاگا
مگر اک شاہزادے کی تصویر — کھینچ دے آیا تھا وہ با تدبیر
اُسکے نقشے میں بھی تھا ایک فسوں — ہوئی تھی شاہزادی بھی مفتون
یاں جو لایا جواب یک باری — ہوئی لڑنے کی یاں سے تیاری
اُڈے فوجوں کے پھر دَل اور بادل — ہوا اک بار تو چل اور میں چل
جا وہ ملک اور پہاڑ گھیر لیا — گاڈ گورڈ جو پایا قتل کیا
چڑھ گئے، گھاٹیاں پہاڑوں کی — کھود دی جڑ بیخ واں کے جھاڑوں کی

توپ، بندوق سے کیا گھائل ہو گئی سب پہاڑی واں پائل
واں کے راجہ نے دیو سے یہ کہا کر دے جادو سے ان کو پتھر کا
ہوئے پتھر کے لوگ پر نہ رہے جلد بارے وہ اُس بلا سے چھٹے
کسی کے پاس تھی انگوٹھی ایک دیو کو باندھ لائے حکم سے لیک
ساحرہ دیو کی جو تھی اک یار لائی شہزادے کو چرا ایک بار
شاہزادی نے بھید بوجھایا چھلا واں اپنے ہاتھ کا پہنا
یاں تلک طوطے نے کیا جو بیان شاہزادی نے بس کھڑے کیے کان
بے قراری سے کھینچی ایسی ہی آہ کہ ہوا طوطے کا بھی حال تباہ
کہا طوطے نے یہ کیا حکایت ہے یہ تو میری ہی سب مصیبت ہے
کہا اُس نے کہ تم کہاں وہ کہاں یہ تو ہے اور ہی جگہ کا بیان
کہا اُس نے پھر آگے کہہ بارے کہا لوگ آدمی ہوئے سارے
دیو نے دیکھے جب کہ اپنے ضرور سحر کے تئیں کیا سبھوں سے دور
مستعد جنگ کے ہوئے سب رل لیک اُس جنگ سے نہ تھا حاصل
کیونکہ وہ سخت تھی بہت گھاٹی فوج نے سختی واں بہت کاٹی
ہوئی اُس جا پہ فوج شاہ کی تنگ نہ چلا اُن پہ کچھ کریں جو جنگ
رات کو لائے اُن پہ وہ شب خوں خون سے فوج کے ہوا جیحوں
نہ کہیں آگے تھی نہ پیچھے راہ تھا تلاطم جدھر کو کرتے نگاہ
تنگ آ پڑا تھا وقت بس ہیہات پہونچی شہزادی آ کے پچھلی رات
لے گئی سب کے تئیں سرنگ کی راہ صبح ہوئی قصہ اب ہوا کوتاہ
صبح ہوئی تو اک قیامت تھی نہ وہ طوطا نہ وہ حکایت تھی
آفتاب اور بھی لگاتا آگ جلتی شہزادی، طوطا جاتا بھاگ

صبح کرتی اُسے غضب غمناک — کرتی تھی جوں سحر گریباں چاک
جوں جوں قصّہ کا تھا پتا ملتا — درد و غم اور اُس کو تھا ملتا
یا تو گوشے میں چپکے غم کھاتی — ملتی فرصت تو لاش دیکھ آتی
آنا تو اور رونا اک طوفان — دیکھنے والے تھے سبھی حیران
کبھی کہنا کہ کیسا دیکھا خواب — کہ جو کھلتے ہی آنکھ کے ہوا خواب
کبھی کہنا خیال تھا یہ آہ — کیسی مہندی تھی اور کیسا بیاہ
میرے تو تن بدن کو پھونک دیا — داغ اک اک جلے ہے جیسے دیا
میں تو جلتے نصیب لائی تھی — کس نے میری لگن دھرائی تھی
کبھی کہتی شگون ہوا تھا بُرا — گھوڑا نوشہ کا ڈیوڑھی پہ جو گرا
کبھی کہتی میں پہلے جانا تھا — لعل انمول یہ دکھانا تھا
کبھی کہتی کہ میری کم بختی — تھی قیامت ستاروں کی سختی
کبھی کہتی نجومی کوئی نہ تھا — پترا دیکھ کر جو بتلاتا
کبھی کہتی کہ پھر کب آوے رات — سنوں جو مرنے والے کی کچھ بات
کبھی کہتی بڑا مزا ہووے — جی اُٹھے وہ ابھی تو کیا ہووے
ایک دل میں ہزار سودا تھا — دم بہ دم شور اور غوغا تھا
سکھیاں تنگ ائیں اور انھوں نے جا — اُس کی ماں سے یہ حال سارا کہا
روتی ماں دوڑی آئی بے چاری — کہا رو رو، نہ رو ترے واری
باپ پر اُس کے کی بہت نفریں — اور تسلّی کی باتیں اُس کو کہیں
کہا اک شخص وہ نہ ہووے گا — اور کیا ہوگا جو نہ ہووے گا
واں خواصوں نے اُسکی ماں کی کہا — تم نے شہزادی اب کچھ اور سُنا
رت جگا ہے ہمارے گھر آؤ — رات کی رات جی کو بہلاؤ

ایسی تو ہوگی آج واں بیٹھک کہ سُنی اور نہ دیکھی آج تلک
بولی سر پیٹ وہ یہ اور ستم چاہتے ہیں کہ دیویں غم پر غم
طوطے کی بات سننے سے بھی رہوں سامنے ماں کے کیا میں انکو کہوں
پھر جو کچھ اُس کی جان پر گذرا جی ہی جانے ہے اُسکا یا کہ خدا
ہوگئی ماں کے آگے وہ لاچار کیا چلنے کا اُس کے گھر اقرار
گئی ماں اُس کی اس سے وعدہ لے اور کھلونے طرح طرح کے دیے
لائے تب ہوتے ڈیوڑھی پر چنڈول جس میں موتی تھے اور لعل انمول
رُوتی لاچاری سے ہوئی وہ سوار یوں لگی کہنے رُو رُو دھاڑیں مار
کل تھا ساتھ اُسکے نوشہ اور برات آج میں رانڈ ہو چلی ہیہات
سکھیاں اور وہ کہار سب رُوئے بلکہ اوسان ہوش کے کھوئے
گھر جو پہنچی تو ماں کی سب سکھیاں دوڑیں اُس کی بلائیں لیتی وہاں
بولی وہ سب کی لے بلا میں مروں نت کا مرنا ہے خاک زیست کروں
اُس کے بہلانے کو یہ سب نے کہا دُور پار اِتنا کڑھنا ہے کیا
ہم بلا لے کے تیری مر جاویں جی سے آگے ترے گذر جاویں
ایک لے آئی دوڑ کر مونڈھا ایک نے کرسی لا کے کھٹ بچھا
ایک نے فرش پہ کہا بیٹھو ایک مسند پہ بولی جا بیٹھو
گود میں اک نے لے لیا ہے اُٹھا تخت پر ایک نے دیا ہے بٹھا
لائی اک ڈھول اور گانے لگی گا بجا رت جگا جگانے لگی
ایک لے آئی تال اور مردنگ ایک طنبورا لائی اک مرچنگ
ایک نے چولھے پر کڑھائی دھری ایک نے تیل گھی سے خوب بھری
ایک نے پوری گھڑ کے ڈالی ایک ایک نے تل وہیں نکالی ایک

ایک نے کچھ بنایا دال میٹھا　　ایک لے آئی تھوڑا ارحم بنا
اک لگی بیٹھ کے گلگلے تلنے　　گھڑے کو صندل اک لگی ملنے
ایک شربت کا لائی دو دڑ گھڑا　　ایک نے رکھا اُس پہ اک بدھنا
ایک نے ہار اُن کو پہنایا　　ایک نے بیٹھ رت جگا گایا
ایک بولی کہ میرے اللہ میاں　　گئی واری ہیں تیرے اللہ میاں
ایک اُٹھ ناچنے لگی گت سے　　جھومی اک آ کے شان و شوکت سے
کھینچ تلوار ہاتھ میں تن کے　　کر کے اک ہول آ کے ٹیک پھیری
ایک نے بر میں پہنا جوڑا لال　　ہار ڈالے گلے میں کھول کے بال
گر پڑی کھا کے چکر وہ آہ بھری　　لوگوں نے جانا اس پہ آئی پری
پوچھے کوئی ہوگا میرے گھر بیٹا　　بولی اک میرا سائیں آئے گا؟
شاہزادی نے سائیں کا سن نام　　کیا رو رو کے اپنا کام تمام
لوگ بیٹھے تھے جو بہت خوش اس شب　　غم سے شادی ہوئی مبدل سب
یاں تھی ہر سمت واہ واہ کی دھوم　　یاں ہوئی ویسی آہ آہ کی دھوم
تیق سے بڑھ کے تھی ماتم کی　　شب نہ تھی صبح تھی محرم کی
جس طرف دیکھتے تھے رونا تھا　　کہتے رو رو کے یوں ہی ہونا تھا
ماں سے شہزادی نے کہا رو کر　　پڑ رہوں گھر میں جا کہو تم اگر
دل کو بہلانے میں یہاں آئی　　یاں کے لوگوں پہ یہ غضب لائی
کہتے ہیں یہ مثل کہ بھاگ سے جلے　　بن میں گئے تو وہاں بھی آگ لگے
بولی ماں یاں ہی بیٹی تو سو رہ　　بیٹی کہنے لگی کہ اب مت کہہ
ہو کے رخصت وہ روتی گھر آئی　　دل پہ داغ اُن سبھوں کے دھر آئی
اپنے بستر پہ جا گری کر آہ　　طوطے کی دیکھنے لگی پھر راہ

راہ آگے ہی وہ تو تکتا تھا — غصہ میں آپ ہی آپ بجتا تھا
آج شہزادی سو رہی شاید — یا کہیں اور جا گئی شاید
اور چالو یاں سے تم میاں طوطے — اپنے اوقات ہو عبث کھوتے
شاہزادی کی بات کان پڑی — جان میں اُس کے دو دیں جان پڑی
کہا طوطے سے آئیے صاحب — اتنا غصہ نہ کھائیے صاحب
پھنس گئے تھے ہم اک بلا میں آج — چھوٹے بارے تو ٹھہرا اپنا مزاج
گئے تھے بن کے رت جگے میں ہم — آئے کر اُن کی جان کو ماتم
اب کہو تم کدھر سے آتے ہو — باقی کی داستاں سناتے ہو
طوطا بولا کہوں میں کیا مضطر — کبھی دکھن میں ہوں، کبھی اُتر
بولی شہزادی کیا بڑا تھا کام — دیتے آمرت کو جو مرا پیغام
کہا پیغام کا سنوں بھی سخن — کہا آمرت سے کہیو میری بہن
ہوئی آوارہ اب شکر پارا — اُس کے دولہا کو سوتے میں مارا
تو، لو رہتی ہے عیش و عشرت میں — میں پڑی ہوں عجب مصیبت میں
طوطا بولا کہ کیا سناؤں میں — بیٹھے بٹھلائے کو رُلاؤں میں
کہا لازم ہے اُس کو کرنی خبر — دیکھیں آتی ہے یا نہیں وہ اِدھر
طوطا بولا کہ کل میں دوں گا جواب — آج کرنے دو اُسکو عیش میں خواب
کہا شہزادی نے فسانہ کہو — میں بھی شاید کہ سن کے جاؤں سو
کہا کس جا رہا تھا اُس نے کہا — شاہزادہ سرنگ تک پہونچا
بولا طوطا کہ مینا پھر وہ شاہ — گیا لے فوج سب سرنگ کی راہ
قلعہ کے بیچوں بیچ جا پہونچا — جا کے راجہ کو اُس نے باندھ لیا
اور اُسے خوب سی ملامت کی — پر یہی بات تھی قباحت کی

ٹھہری آخر کو درمیاں شادی
لیک دولھا کی خانہ دامادی

یاں ہی چوکا وہ باپ دولھا کا
گم ہوئی عقل، بے وقوف بنا

آنکھ اور منھ قضا کرے ہے بند
سبھی حیران یاں ہیں دانش مند

غرض اس کا وہ راج اُس کو دیا
دھوم سے پھر بنے کا بیاہ کیا

واں کے شہ کے وزیر کی دلبند
برہمن ایلچی سے ہوئی پیوند

ایلچی بنڑا بن ہوا تیار
دیو کو مار لے لی اُس کی بار

دونوں کے بیاہ کا کہوں گر ساز
تو کہانی یہ ہو گی دُور دراز

یاں سے آگے سنو نصیب کا کھوٹ
ہوا جو اُس کا باپ آنکھ کی اُوٹ

شاہزادے کو سوتے میں مارا
دُلہن اُس کی ہوئی بس آوارہ

وہ اُدھر روتی ہیں اِدھر روتا
وہ دُلہن اُس کی اور میں طوطا

پھروں ہوں ڈھونڈتا ہر ایک دیار
کہ کہیں لاش وہ ملے اک بار

تو اُسے چھاتی سے لگاؤں میں
بچھڑا اپنا رفیق پاؤں میں

میں سنا ہے کہ کر کے کایا پلٹ
ایک طوطے کے وہ گیا تھا گھٹ

لاش دیکھوں تو اُسکو دوں خبر
پر وہ طوطا جو مجھ کو آئے نظر

گر پڑی شاہزادی اُسکے پاؤں
کہ ملے دیکھنے کا گر تجھے داؤں

کہیو طوطے سے تو کہ تیری دُلہن
لاش کو اب تلک تو کر کے جتن

لیے بیٹھی ہے اُس کو ٹانک دے
قالب اپنے میں آ ترے صدقے

بولا وہ صبح ہوئی نہ کر اب بات
دوں گا اسکا جواب میں کل رات

اور امرت سے بھی کہوں گا حال
آگے پھر اُس پہ گذرے جو احوال

بولی واری گئی ترے طوطے
کل یہ دونوں جواب دیجو مجھے

کر کے اقرار اُڑ گیا طوطا
دیکھئے آگے اب بنے ہے کیا

ساقی نامہ در بیان بند شدن طوطی و روانہ شدن سحر و بجانب دشت تنہا

ساقی ہے عنقریب صبح وصال — لاؤ ساغر کرے جو دور ملال
شب غم جا لے روز روشن ہو — داغ ہو باغ، سینہ گلشن ہو
شیشہ میں مے ہے یہ مسیحائی — جلد آب حیات لا بھائی
مردہ دل جو میں جی اٹھیں پھر کر — پاوے جان شاہزادے کا پیکر
کہتے ہیں اب سخن کے یوں راوی — یہ نہ سمجھو کہ میں بھی ہوں راوی
شاہزادی کو جوں سحر وہ ہوئی — ہوئی نوروز کی سی اسکو خوشی
ہوا آخر کو اس کا اوج شروع — کیا خورشید نے افق سے طلوع
شادی سے پر تعلق تھا ہر اک دم — بے قراری تھی دل کے تئیں پیہم
اس نے تحقیق اب تو جانا ہے — کہ یہ میرا ہی سب فسانا ہے
وعدۂ وصل آن پہونچے جد — آتش شوق تیز تر گردد
کھانا کھایا شتاب اس نے منگا — بارے سکھیوں نے اس کی شکر کیا
گڑگڑی لے کے چھوڑتی تھی دھواں — گرد گل جیسے سنبل پیچاں
لب پہ مہناں کا یہ کچھ تھا سماں — جیسے انگشت حیرت اور دنداں
پان بھی کھا، کیا تھا سرخ دہن — جس طرح پھر کے ہو شگفتہ چمن
مسی کی انگلی دانتوں پر تھی جڑی — سیم پر اک سیہ قلم تھی پھری
چشم میں سرمہ ڈالا کاجل بھی — آشب قدر آنکھ میں چمکی
نیل بھی سر میں ڈالا کنگھی کی — حبش اور زنگ کی زد بڑھی
دی چمکتی مبان چوٹی میں اینچ — جوں کسوں میں زر کا خط دیں اینچ
کپڑے بدلے گیا وہ حال تباہ — نکلے ہے جس طرح گہن سے ماہ

تھوڑا تھوڑا سبھی سنگار کیا   پھر خزاں کے تئیں بہار کیا
لگی ڈھولک کے کاندھے پر ٹھنکی   طبلے پر بھی ہوئی دبی ڈگی
کان طنبورے کے مروڑے گئے   دُشمنوں پہ وہ تان توڑے گئے
کان کو رکھ کے تان سُن لی کہیں   بات بھی دھیان رکھ کے سُن لی کہیں
بیٹھی بن کر ادا سے مونڈھے پر   کہا سکھیوں سے کھیلو تم چوسر
میں تمھیں دُور سے بتاؤں گی   بازی بگڑی ہوئی بناؤں گی
غرض اس طور دن ہوا وہ تمام   اب سنو تم کہ جوں ہی آئی شام
نیند کا کر بہانہ وہ دِلبر   گری جا کر اُسی بچھونے پر
کروٹیں لیتی اور کہتی خدا   کس گھڑی آن پہونچے گا طوطا
آج میرا جواب لاوے گا   یا دغا دے کے یوں ہی جاوے گا
دیکھیں طوطا اُسے ملے کہ نہیں   کہ وہ سُن ٹال دیوے اُسکے تئیں
مجھ سے اب وہ ہوا تھا کیا خوشنود   کہ وہ سنتے ہی ہوگا آ موجود
اُس کو آنا جو ہوتا تو آتا   پھر بہانے سے کچھ تو کہہ جاتا
گر وہ طوطا بنا تھا تو اک بار   آشنا جاتا اپنی کچھ گفتار
جانتا تو وہ تھا مرا احوال   کیوں اِدھر کا کیا نہ اُس نے خیال
گر مرے باپ کو وہ سمجھا شریر   تو بھلا میری اس میں کیا تقصیر
ابھی باتوں میں تھی کہ طوطے نے آ   اُس کے تئیں آشنائی اپنی جتا
پہلے مینا سے کر سلام علیک   پھیر شہزادی سے سُنی لبیک
شاہزادی نے اُٹھ کہا واری   کہہ جواب اب سُنوں میں دُکھیاری
بولا شہزادے کی تو پھر کہوں گا   لیک آمرت کے تئیں دیا میں سُنا
وہیں وہ سُن کے بس ضعیف ہوئی   گر پڑی جیسے تھی کبھی کی موئی

پھر اٹھی تو کہا کہ سچ ہے مگر　　طوطے لایا تو کس طرح کی خبر
ڈر ہے لوگوں کے وہم ہوتی ہے　　لیک پھر چپکے چپکے روتی ہے
سوچتی ہے نہ کوئی سن پاوے　　چاہتی تو کہ اس طرف آوے
شاہزادی یہ سن کے واں کی خبر　　لائی آنکھوں میں اپنے آنسو بھر
پھر لگی کہنے کیوں میاں طوطے　　ذکر پر شہ کے چپ ہو کیوں ہوتے
گر بلا ہو تو کچھ بتاؤ تم　　نہیں تو صاف کہہ سناؤ تم
بولا وہ یاں سے ہے بہت بیزار　　اس نے مجھ سے کیا ہے اک اقرار
لاش گر میری دیکھ آوے تو　　تو میں جاؤں گا اس طرف کو کبھو
پھیر قالب میں جی یہ تب آوے　　کہ مرے ملک ساتھ وہ جاوے
ملک کا اپنے پھر نہ لیوے ناؤں　　ساتھ تیرے چلی چلے اسی پاؤں
بولی وہ ہے قبول بندی کو　　پر وہ آ تھام لے مرے جی کو
بولا طوطا کہ لاش ہے وہ کہاں　　مجھ کو جلدی سے لے کے چلیے وہاں
اس کو لے گئی بغیر سعی و تلاش　　کھول صندوق پھر دکھائی لاش
لاش دیکھی تو کر کے کایا پلٹ　　طوطا شہزادہ میں گیا جھٹ پٹ
بس شکر پارہ اس کے پاؤں پڑی　　ہوئی راہی شتاب اسی گھڑی
شاہ بولا کہ طوطے کو بھی لا　　کہ یہ ہم نام ہے مرا طوطا
اس کے قالب میں میں کہانی کہی　　لاش میں اس کے رکھا اپنا جی
باپ نے تیرے ایک کاڑا بھیل　　بھیجا قاتل مرا ہوا میں قتیل
تازہ طوطا ہوا تھا اک ہم نام　　جی کے میرے یہ قالب آیا کام
اب اسے چھوڑ مت کہ تھا یہ رفیق　　کوئی بھی چھوڑتا ہے اپنا شفیق
بھاگے یہ باتیں کرتے راتوں رات　　دونوں نے کی شتاب واں سو لات

نکلے اُس ملک سے بہ دشواری پاؤں میں خار کھینچتے خواری
آبلوں کا وہ درد بھوک پیاس خون سے دشمنوں کے کرتے ہراس
پہنے کپڑے فقیروں کے مانند اس طرح نکلے راجوں کے فرزند
کیا کروں دورِ چرخ کی تقریر پل میں شاہوں کے تئیں بناوے فقیر
لعل کو بیچے ہے یہ سنگ کے مول تاج شاہی اُلٹ کرے کچکول
ملک اور مال پل میں لے لیوے تخت اور بخت سب اُلٹ دیوے
دَور میں اسکے یاں کسے ہو ثبوت تخت سے کر دے تختۂ تابوت
کہاں سکھیاں کہاں وہ ناٹ دیار کہاں وہ گل کہاں وہ باغ و بہار
کہاں ایوان کہاں وہ مسند و فرش کرسیاں رکھتی تھیں جو رفعتِ عرش
اب تو جنگل ہے لق و دق ناچار لیک صد شکر ہے کہ پاس ہے یار
صحبتِ یار میں جسے ہے فراغ اُسکو ہے دشت بھی بہشت کا باغ
بارے اک جا پہ دیکھا سبزۂ و آب راہ کے ماندے بیٹھے آکے شتاب
کچھ درختوں کا میوہ چُن کھایا پیا ٹھنڈا سا پانی جو پایا
اک عمارت بھی واں بنی تھی قدیم سنگِ مرمر کا گنبد اُس میں عظیم
دَیر کی شکل یا کہ مسجد سی خوب دل چسپ ابھی تھی جیسے بنی
چار دیواری تھی سفید اور در گردِ شب کھینچی ماہ نے چادر
آبِ مہتاب اور کنول وہ سفید شب دِوالی تھی اُس جگہ دن عید
دونوں کا چاندنی میں واں پھرنا نورِ مہ کا زمین پر گرنا
وہ مکاں اور وہ آب سیر رکھے جانور جا بجا بہت بیٹھے
وہ مکاں سب سفید اور محل اک لبِ آب پر کھِلا تھا کنول
گونجے گنبد پہ واں کبوتر آ بگلے تاندوں کا چہل اور غوغا

گونجے مرغابیوں کا یک سو شور — اک طرف ناچنے کو لگتے مور
اک سماں تھا اگرچہ وہ غونا — پر یہ حیران تھے کہ ہے یہ کیا
دیکھ ہم کو یہ شور کرتے ہیں — پر نہیں آدمی سے ڈرتے ہیں
اک طرف آہوؤں کی تھیں ڈاریں — اک طرف نعرے قرقریں ماریں
شاہزادی کرتے تھے وہاں سیر — محل اُن کو ہوا وہ دشت اور دیر
خوبرو جس جگہ ہوں دو ہی خوب — بن کے لگتے ہیں ہر جگہ محبوب
پایا اُس دشت کا مزا کچھ خوب — بعد اک عمر کے ملا محبوب
پیچھے غم کے جہاں کا ہے دستور — کہ یہ دیتا ہے ایک آن سرور
جب خوشی سے ذرا ہوئے مسرور — پھر گیا بار غم نے چکنا چور
زندگی دونوں کی دوبارہ ہوئی — پچھلی تقویم ہجر پارہ ہوئی
پڑھا نوشہ نے دوہرا اک اُس جا — جس نے دولہن کا دل لیا تھا لبھا

دوہرہ:-
کا کروں بیکنٹھ لے اور کلپ برچھ کی چھانہہ
احمد ڈھاک سہاونے جو پیتم کے گل بانہہ

سُن کے دولہن نے یہ جواب دیا — یاد آیا ہے مجھ کو بھی دوہرا

دوہرہ:-
خسرو رین سہاگ کی جاگی پی کے سنگ
تن میرا من پی کا دونوں ایک ہی رنگ

بولا دولہا کہ دوہرہ ہی اک اور — یاد آیا مجھے ابھی فی الفور

دوہرہ:-
احمد گت اوتار کی بھول گئی سنسار
بچھڑے مانس پھر ملیں یہی جان اوتار

ہو ہم آغوش کرتے بوس و کنار — اور کسی بات کا نہ تھا انکار
ٹھنڈی باد اور ہوا وہ خوش آیند — کھول ڈالے تھے بند جو تھے بند

سو طرح سے ہوس ہوئی گستاخ — تنگ کوچے ہوئے خوشی سے فراخ
کھلے یک بار جو کہ بند تھے در — ہوا جنگل بہشت اُنھیں یکسر
نہ تھا ازبس کہ دُشمنوں کا خلل — در میں جنگل میں ہو گیا منگل
خوں ہوا غنچہ کا اگر دل تنگ — پر چمن کو ملا تھا اور ہی رنگ
گو رُلایا ملا کے دُلہن کو وہاں — شبنم و گل کا تھا عرق سے سماں
دشت سبز اس جگہ کا تھا دل شاد — دیں نسیم و صبا مبارکباد
کیا نخل مُراد نے سایا — دُولہا دُلہن نے کام دل پایا
خوش ہوئے پنچھی دشت کے سارے — آنکھ میں دُشمنوں کے انگارے
قرقروں سے ہر ایک آہو کہے — موند لے آنکھ جو نہ دیکھ سکے
خوب ازبس ہوئے تھے مست وصال — غسل کے بعد سو گئے فی الحال
سایہ باغوں کا ٹھنڈی باد چلی — دونوں کی اُس جگہ پہ آنکھ لگی
آنکھ لگنے کا دال تھا کون حساب — بخت نے دونوں کے کیا تھا خواب
دم کے دم پائی تھی ٹک آسائش — پھر قضا کی کچھ اور ہوئی خواہش
چاہا دونوں میں تفرقہ ڈالے — مرے فرقت میں چاہنے والے
عاشقوں کو وصال سے کیا کام — عشق کرتا ہے سب پہ عیش حرام
ہے ازل سے جہاں کا یہ اسلوب — ایک جا ہوں نہ طالب و مطلوب

خواب نمودن طوطی و دیکر یار و آمدن تاجر شاہزادہ و بردن لشکر یار را ہمراہ خود

ساقیا جام ہجر کا غم ہے — بادہ لا بادہ اب ترا غم ہے
ہوتے ہیں پھر وہ دونوں آوارہ — مے کا پی لوں میں جام یکبارہ
گذروں دودن کی بادشاہی سے — بچوں اس دَور کی تباہی سے

میں گدائی میں سلطنت بخشوں | پھول ہے اور غنی ہو بیٹھ رہو مل
قصر شاہی کی بھولوں تیاری | کہ اسے کچھ نہیں ہے پائداری
ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت | رفت و منزل بہ دیگرے پرداخت
واں دگر بخت ہمچناں ہوسے | ویں عمارت بسر نہ برد کسے
یار ناپائدار دوست مدار | دوستی را نہ شاید ایں غدار
راوی کہتا ہے چرخ نے اک بار | وہ چھڑا قصر اور اُن کا دیار
مئے غفلت وہی اُنکو بھر کے شتاب | اُنکو مستی سے آیا دشت میں خواب
ناگہہ اک شاہزادہ بہر شکار | گذرا اُدھر سے تازی پر ہو سوار
ہاتھ میں ایک باز بال فشاں | اور کرتا تھا اسپ کو جولاں
کر گئے رم سب آہو اور کلنگ | وہ مسافت سے راہ کی دل تنگ
تشنگی اُس پہ لائی تھی غلبہ | دیکھ پانی کو گھوڑے سے اُترا
پی کے پانی نگاہ کی جو شتاب | دیکھا دو آہو واں کریں ہیں خواب
ایک اُن میں پری کی شکل بہ ناز | ایک جوڑا اُسی کا ہے دمساز
دل میں خوش ہو کہا ہے زور شکار | نیک ساعت ہوئے تھے آج سوار
جوڑے کو اس پری کے دیجے چھوڑ | اس کو لے، دیجیے اس کا جوڑا بچھوڑ
حبشی تھا غلام اُس کے ساتھ | کہا دونوں کے باندھ چپکے سے ہاتھ
رسّہ اُس کا درخت سے باندھا | اُس پری کو پھر آپ کھینچ لیا
جلد اُس کو بٹھا لیا پسِ پشت | پشت سے اپنے باندھا کھینچ درست
خواب سے چونک کر وہ چلائی | پر نہ اُس بن میں داد کچھ پائی
ہوا صرصر کی شکل واں سے رواں | پھر نہ پایا صبا نے اُس کا نشاں
گو نہ چاہا تھا اُسکو روتے بہت | خوف سے دم بخود ہوئی لیکن

شاہزادے کو ہوش جب آئے ہاتھ اپنے وہاں بندھے پائے
پائی محبوب کی جگہ خالی ہے جو اسی سے راہ صحرا لی
دانتوں سے ہاتھ کھولتا جاتا پیٹتا سر کو اور گھبراتا
دیکھا ادھر اُدھر بیاباں کو پایا نہ اپنے ماہِ تاباں کو
مگر اک سُم اسپ کا تھا نشاں اُس کے پیچھے یہ ہوا اُدھر کو رواں
بھولا حیرت سے نالۂ و فریاد کہا گردوں نے کی عجب بیداد
سہم سے خشک ہو گئے آنسو آسماں کی طرف کہہ کر رو
اے فلک یہ بھی ہے کوئی بیداد بن چھُری مجھکو مارا اے جلاد
آگے تو قتل ہو چکا تھا میں یہ ستم تازہ اور دیکھا میں
ایک دم کی حق آ کے یاں راحت کہ برے سر پہ لایا یہ آفت
کر دیا بس حرص سے آزاردہ میں کہیں اور کہیں شکر پارا
اے فلک کیا مرا ستارہ ہے کہ یہ مجھ پہ ستم دوبارا ہے
اے فلک کیا ہے تجھے تیرے نصیب دمبدم جو ہلا فراق حبیب
اے فلک حیرت تو موت بھلی آتشِ غم سے آہ جان چلی
اے فلک کوئی نہیں طبیب یہاں پوچھوں جو اپنے درد کا درماں
میں مسیحا کوئی کہاں پاؤں جس سے اب جا کے فال دکھلاؤں
اے فلک کچھ بھی ہے بھلا چارا کہ ملے پھر مجھے شکر پارا
کوئی یاں آ کے لے گیا اُس کو اس بیاباں میں پوچھوں میں کس کو
جانور یا درند کا نہیں نام کرتے ہیں آہو آن کر آرام
سنگ دل آدمی ہے کوئی سوار میرے آہو کو کر گیا ہے شکار
گھوڑے کے سُم کا ہو نشاں جو یہاں اُس سے جاتا ہوں ڈھونڈتا میں نشاں

پھر کہا کیوں مجھے خبر نہ ہوئی   شب غفلت مری سحر نہ ہوئی
بے وفا بھی نہ تھی ستمگر یارا   جانتی جو مجھکو کر کے آوارا
ہو تو ہو زن کا اعتماد نہیں   زن کو غیر از جفا کے یاد نہیں
پھر کہا آپ ہی اُس پہ یہ بہتان   وہ کہاں اور بے وفائی کہاں
کبھی کہتا کہ دیکھ خوب جواں   ہوئی شاید کسی کے ساتھ رواں
جب تلک اور کو نہ دیکھا تھا   تب تلک اُس کی آنکھ میں تھی حیا
نظر آیا ہو اب جو نامحرم   چڑھ گیا ہووے آنکھ میں عالم
کبھی کہتا یہ جانتا ہے قیاس   بیٹھی خوش دل وہ ہوگی اور کے پاس
ابھی کیا دیکھا اُس نے دُنیا کا   اُس کو ان باتوں کا نہیں ہے مزا
جانتا تھا باندھتا وہ منصوبے   اُچھلے اور بحر غم میں پھر ڈوبے
اور اُدھر جانتی تھی ستمگر یارا   خستہ و زار اور آوارا
کہتی تھی کس سے دل کا حال کہوں   موت آ جاوے تو یہیں میں رہوں
رام جی تم ہی رکھیو میرا ست   دیکھی نامحرموں کی میں صورت
یہی قسمت کا تھا مرے لکھا   آگے دیکھوں نصیب میں ہے کیا
ٹک بچی تھی خدا خدا کر کر   موت آتی ہے پھیر مجھکو نظر
آ گئے تو گھر ہی میں تھا غم کھانا   لے چلا اب تو مرد بیگانا
بات اب کون سی بناؤں میں   کس طرح آپ کو بچاؤں میں
نہ یہاں ماں، نہ باپ ہے نہ بہن   میں ہوں دُشمن ہیں میرے اور یہ بن
نہ کوئی بات پوچھنے والا   نہ کوئی جان کا ہے رکھوالا
اب بغیر از خدا نہیں کوئی   سچ، بُرے وقت کا نہیں کوئی
آنکھ نوشہ کی جب کھلی ہوگی   اُس پہ واں کیا گذر گئی ہوگی

دربھی رہتے سہتے نیند گئی تاب و طاقت ہی سینہ کی نہ رہی
ہائے نوشہ تھا کل بھلا چنگا دو ہی دن میں وہ اب فسانہ ہوا
کل کی ہے بات بیٹھے تھے باہم کہتے تھے مل کے اپنا اپنا غم
کبھی باتوں میں دل تھے بہلاتے کبھی ہنس ہنس گلے سے لگ جاتے
آج وہ جا کے گور میں سویا اور مرے جی کو داغ نے کھویا
کہہ کے یہ بات اس نے اور رو رو پھر خواصوں سے اک کنارہ ہو
ٹالا ایک ایک کو بہانہ کر دیکھی لاش اپنے دوست کی جا کر
دیکھا تو دو میں خون جاری ہے ابھی گویا لگی کٹاری ہے
روئی اور ڈر سے اشکوں کو پونچھا ڈھانپ صندوق اسی طرح رکھا
آئے منھ، سر لپیٹ کر وہ پڑی بارے مدت کے بعد آنکھ لگی
خواب میں دو میں دیکھتی ہے کیا کہ یہ شہزادہ ہے اسے کہتا
گو کہ ہم مر گئے شہید ہوئے نہ ملے ٹانکے اس ہوس میں موئے
زخم دیتا ہمارا کوئی سلا تو بھلا کرتے اس کے حق میں دعا
زخم سینے سے گر شفا پاتے شکل پھر ہم کسی کو دکھلاتے
دیکھ یہ خواب چونکی وہ ناگاہ دل سے بے اختیار کھینچی آہ
دوڑیں سکھیاں ادھر ادھر سے تمام ہوئی بس زندگانی اس پہ حرام
خواب کو سوچ کر رہی خاموش لیک سرشار غم سے اور مدہوش
اس طرف اس طرف پھری تکتی پیٹے زانو کو، ہاتھ کو ملتی
چھیلتی ناخنوں سے سینہ و رو غمزدہ، دل جلی، پریشاں مو
اس دن اس نے نہ کھایا اک دانا لائے سو بار سامنے کھانا
غم کو کھا کھا کے اپنا پیٹ بھرا یہ کہا ہے گا اس میں زور مزا

مصلحت کو منگایا شب کو طعام — کھائے اک دو نوالے سو بھی بنام
کہا ان سب کو ہانک دیجے اب — زخم نوشہ کا ٹانک دیجے اب
زخم کو ٹانک اور رو دھو کر — پڑ رہی وہ جہاں تھا شب بستر
راہ طوطے کی پھر وہ تکنے لگی — اور سودائیوں سی بکنے لگی
دم بہ دم کہتی تھی میاں طوطے — رات اتنی ہوئی کہاں کھوتے
طوطا ہو تو جواب دے اس کو — نہیں تو اور ہے پڑی کس کو
دیکھتی جب کہ ماہ و اختر کو — اور ستارا شمار کرتی وہ
ماہ سے پوچھتی اپنے ماہ کی بات — کبھی تاروں سے کہتی آئی رات

شب کا معمول تھا وہی جو قدیم — پہنچا آ طوطا وہی اس کا ندیم
بولا آ بیٹھ پھیر جگ جگ جی — شاہزادی یہ سن کے چونک اٹھی
بولی آ پہنچے تم یہاں مٹھو — بولی مینا کہاں، کہاں مٹھو
ہم کہاں، تم کہاں، کہاں یہ لوگ — یہ بھی قسمت کا ہو گیا سنجوگ
کہا دیر آئے تم تو آج بھی پھیر — کہا لگتی ہے آتے آتے دیر
پوچھا آئے کدھر سے اور تھے کدھر — کہا کیا بھول گئی دہی اُتر
کہا امرت کو پھر بھی دیکھا تھا — لگا کہنے کہ اُس سے مجھ کو کیا
کہا میری ہی بات کچھ کرتے — کہا انسان سے ہیں ہم ڈرتے
کہا پھر ہم سے کیوں محبت ہے — کہا ہم دونوں پر مصیبت ہے
کہا پھر رحم ہے اگر تم کو — تو بھلا باتی کی کہانی کہو
کہا ٹک ٹھہر دل دو گھڑی دم لوں — تو مصیبت کی پھر کہانی کہوں
پوچھا دن کاٹتے ہیں آپ کدھر — کہا ماں باپ ہیں ہمارے جدھر
کہا ماں باپ کا بھی کچھ کہو نام — کہا کیا اُن کے نام سے تمھیں کام

کہا تو پھر یہ بات جانے دو　　رات جاتی ہے اب کہانی کہو
کھینچ کر آہ بولا وہ ناشاد　　کہاں چھوڑی تھی پھر دلاؤ یاد
بول اُٹھی شاہزادی یکبارگی　　اُس سے اُستاد کرتا تھا زاری
طوطا بولا کہ مینا پھر آگے　　شاہزادے یہ کہنے کو لاگے
میں نے دیکھی ہے ہائے اک تصویر　　ہو گیا ہوں وہ دیکھ شکل اسیر
تھی وہ اک شاہزادی کی صورت　　نہیں صورت ہے جادو کی مورت
وہ جو تصویر کھینچ لایا تھا　　سو برہمن تھا میرے بابا کا
سُنا اُستاد نے جو یہ قصا　　اُس نے بابا سے اُسکے جا کے کہا
اس پسر کا کرو جو بیاہ تم آج　　تو ملے اور ایک تم کو راج
راج اور ملک کا نشان کہا　　اور کچھ خفیہ در بیان کہا
راج کی سُن کے وہ ہوا خوشنود　　بیاہ پہ بیٹے کے ہوا موجود
اُس برہمن کے تئیں وہیں بلوا　　سمدھی پر کر کے ایلچی بھیجا
نامہ اُس نے دیا اور اس نے پیام　　باپ بیٹوں کا دونوں ایک ہی کام
ایلچی نے دیا وہ نامہ وہاں　　واں سے پایا جواب تیر و کمال
تیر سا اُس کے دل میں اک لاگا　　لڑتا اپنے نصیب سے بھاگا
مگر اک شاہزادے کی تصویر　　کھینچ دے آیا تھا وہ باتدبیر
اُسکے نقشے میں بھی تھا ایک فسوں　　ہوئی تھی شاہزادی بھی مفتوں
یاں جو لایا جواب یکبارگی　　ہوئی لڑنے کی یاں سے تیاری
اُمڈے فوجوں کے پھر دل اور بادل　　ہوا اک بار تو چل اور میں چل
جا وہ ملک اور پہاڑ گھیر لیا　　گاؤ گورو جو پایا قتل کیا
چڑھ گئے، گھاٹیاں پہاڑوں کی　　کھودی جڑ بیخ واں کے جھاڑوں کی

توپ، بندوق سے کیا گھائل — ہو گئی سب پہاڑی واں پائل
واں کے راجہ نے دیو سے یہ کہا — کر دے جادو سے ان کو پتھر کا
ہوئے پتھر کے لوگ پر نہ رہے — جلد بارے وہ اُس بلا سے چھٹے
کسی کے پاس تھی انگوٹھی ایک — دیو کو باندھ لائے حکم سے لیک
ماجرہ دیو کی جو تھی اک یار — لائی شہزادے کو پھرا ایک بار
شاہزادی نے پھیر بھجوایا — چھلا واں اپنے ہاتھ کا پہنا
یاں تلک طوطے نے کیا جو بیان — شاہزادی نے بس کھڑے کیے کان
بے قراری سے کھینچی ایسی ہی آہ — کہ ہوا طوطے کا بھی حال تباہ
کہا طوطے یہ کیا حکایت ہے — یہ تو میری ہی سب مصیبت ہے
کہا اُس نے کہ تم کہاں وہ کہاں — یہ تو ہے اور ہی جگہ کا بیان
کہا اُس نے پھر آگے کہہ بارے — کہا لوگ آدمی ہوئے سارے
دیو نے دیکھے جب کہ اپنے ضرور — سحر کے تئیں کیا سبھوں سے دور
مستعد جنگ کے ہوئے سب رل — لیک اُس جنگ سے نہ تھا حاصل
کیونکہ وہ سخت تھی بہت گھاٹی — فوج نے سختی واں بہت کاٹی
ہوئی اُس جا پہ فوج شاہ کی تنگ — نہ چلا اُن پہ کچھ کریں جو جنگ
رات کو لائے اُن پہ وہ شب خول — خون سے فوج کے ہوا جیحول
نہ کہیں آگے تھی نہ پیچھے راہ — تھا تلاطم جدھر کو کرتے نگاہ
تنگ آپڑا تھا وقت بس ہیہات — پہونچی شہزادی آ کے پچھلی رات
لے گئی سب کے تئیں سرنگ کی راہ — صبح ہوئی قصہ اب ہوا کوتاہ
صبح ہوئی تو اک قیامت تھی — نہ وہ طوطا نہ وہ حکایت تھی
آفتاب اور بھی لگاتا آگ — جلتی شہزادی، طوطا جاتا بھاگ

صبح کرتی اُسے غضب غمناک　　کرتی تھی جوں سحر گریباں چاک
جوں جوں قصہ کا تھا پتا ملتا　　درد و غم اور اُس کو تھا ملتا
یا تو گوشے میں چھپکے غم کھاتی　　ملتی فرصت تو لاش دیکھ آتی
آنا تو اور رونا اک طوفان　　دیکھنے والے تھے سبھی حیران
کبھی کہنا کہ کیسا دیکھا خواب　　کہ جو کھلتے ہی آنکھ کے ہوا خواب
کبھی کہنا خیال تھا یہ آہ　　کیسی مہندی تھی اور کیسا بیاہ
میرے تو تن بدن کو پھونک دیا　　داغ اک اک جلے پہ جیسے دیا
میں تو جلتے نصیب لائی تھی　　کس نے میری لگن دھرائی تھی
کبھی کہتی شگون ہوا تھا بُرا　　گھوڑا نوشہ کا ڈیوڑھی پہ جو گرا
کبھی کہتی میں پہلے جانا تھا　　لعل انمول یہ دکھانا تھا
کبھی کہتی کہ میری کم بختی　　تھی قیامت ستاروں کی سختی
کبھی کہتی نجومی کوئی نہ تھا　　پترا دیکھ کر جو بتلاتا
کبھی کہتی کہ پھر کب آوے رات　　سنوں جو مرنے والے کی کچھ بات
کبھی کہتی بڑا مزا ہووے　　جی اُٹھے وہ ابھی تو کیا ہووے
ایک دل میں ہزار سودا تھا　　دم بہ دم شور اور غوغا تھا
سکھیاں تنگ آئیں اور انھوں نے جا　　اُس کی ماں سے یہ حال سارا کہا
روتی ماں دوڑی آئی بے چاری　　کہا رو رو، نہ رو ترے واری
باپ پر اُس کے کی بہت نفریں　　اور تسلی کی باتیں اُس کو کہیں
کہا اک شخص وہ نہ ہووے گا　　اور کیا ہوگا جو نہ ہووے گا
واں خواصوں نے اُسکی ماں کی کہا　　تم نے شہزادی اب کچھ اور سنا
رت جگا ہے ہمارے گھر آؤ　　رات کی رات جی کو بہلاؤ

ایسی تو ہوگی آج واں بیٹھک — کہ سُنی اور نہ دیکھی آج تلک
بولی سر پیٹ وہ یہ اور ستم — چاہتے ہیں کہ دلویں غم پر غم
طوطے کی بات سُننے سے بھی رہوں — سامنے ماں کے کیا میں اُنکو کہوں
پھر جو کچھ اُس کی جان پر گذرا — جی ہی جانے ہے اُسکا یا کہ خدا
ہوگئی ماں کے آگے وہ لاچار — کیا چلنے کا اُس کے گھر اقرار
گئی ماں اُس کی اُس سحر وعدہ لے — اور کھلونے طرح طرح کے دے
لائے شب ہوتے ڈیوڑھی پر چنڈول — جس میں موتی تھے اور لعل انمول
رُوتی لاچاری سے ہوئی وہ سوار — یوں لگی کہنے رُو رُو دھاڑیں مار
کل تھا ساتھ اُسکے نوشہ اور برات — آج میں رانڈ ہو چلی ہیہات
سکھیاں اور وہ کہار سب رُو دئے — بلکہ اوسان ہوش کے کھوئے
گھر جو پہنچی تو ماں کی سب سکھیاں — دوڑیں اُس کی بلائیں لیتی وہاں
بولی وہ سب کی لے بلا میں مروں — نت کا مرنا ہے خاک زیست کروں
اُس کے بہلانے کو یہ سب نے کہا — دُور پار اِتنا کوسنا ہے کیا
ہم بلا لے کے تیری مرجاویں — جی سے آگے ترے گذر جاویں
ایک لے آئی دَوڑ کر مونڈھا — ایک نے کُرسی لا کے رکھی بچھا
ایک نے فرش پر کہا بیٹھو — ایک مسند پہ بولی جا بیٹھو
گود میں اک نے لے لیا ہے اُٹھا — تخت پر ایک نے دیا ہے بٹھا
لائی اک ڈھول اور گانے لگی — گا بجا رت جگا جگانے لگی
ایک لے آئی تال اور مردنگ — ایک طنبورا لائی، اک مرچنگ
ایک نے چولھے پر کڑھائی دھری — ایک نے تیل گھی سے خوب بھری
ایک نے پوری گھڑ کے ڈالی ایک — ایک نے تَل وہ میں نکالی ایک

ایک نے کچھ بنایا وال میٹھا   ایک لے آئی تھوڑا ارحم بنا
اک لگی بیٹھ کے گلے لگنے   گھڑے کو صندل اک لگی ملنے
ایک شربت کا لائی دوڑ گھڑا   ایک نے رکھا اس پہ اک بدھنا
ایک نے ہار ان کو پہنایا   ایک نے بیٹھ رت جگا گایا
ایک بولی کہ میرے اللہ میاں   گئی واری ہیں تیرے اللہ میاں
ایک اٹھ ناچنے لگی گت سے   جھومی اک آ کے شان و شوکت سے
کھینچ تلوار ہاتھ میں تن کے   کر کے اک ہولی آ کے ٹک پھیری
ایک نے بر میں پہنا جوڑا لال   ہار ڈالے گلے میں کھولے بال
گری کھا چکر اور آہ بھری   لوگوں نے جانا اس پہ آئی پری
پوچھے کوئی ہوگا میرے گھر بیٹا   بولی اک میرا سائیں آئے گا؟
شاہزادی نے سائیں کا سن نام   کیا رو رو کے اپنا کام تمام
لوگ بیٹھے تھے جو بڑے خوش اس شب   غم سے شادی ہوئی مبدل سب
یاں تھی ہر سمت تاہ و قاہ کی دھوم   یاں ہوئی دیسی آہ آہ کی دھوم
تیق سے بڑھ کے تھی ماتم کی   شب نہ تھی صبح تھی محرم کی
جس طرف دیکھتے تھے رونا تھا   کہتے رو رو کے یوں ہی ہونا تھا
ماں سے شہزادی نے کہا رو کر   پڑ رہوں گھر میں جا کہو تم اگر
دل کو بہلانے میں یہاں آئی   یاں کے لوگوں پہ یہ غضب لائی
کہتے ہیں یہ مثل کہ بھاگ جلے   بن میں گئے تو واں بھی آگ لگے
بولی ماں یاں ہی بیٹی تو سو رہ   بیٹی کہنے لگی کہ اب مت کہہ
ہو کے رخصت وہ روتی گھر آئی   دل پہ داغ ان سبھوں کے دھر آئی
اپنے بستر پہ جا گری کر آہ   طوطے کی دیکھنے لگی پھر راہ

راہ آ گئے ہی وہ تو تکتا تھا — غصہ میں آپ ہی آپ بکتا تھا
آج شہزادی سو رہی شاید — یا کہیں اور جا گئی شاید
اور چڑیاں سے تم میاں طوطے — اپنے اوقات ہو عبث کھوتے
شاہزادی کی بات کان پڑی — جان میں اُس کے دو ہی جان پڑی
کہا طوطے سے آئیے صاحب — اتنا غصہ نہ کھائیے صاحب
پھنس گئے تھے ہم اک بلا میں آج — چھوٹے بارے تو ٹھہرا اپنا مزاج
گئے تھے بن کے رت جگے میں ہم — آئے کر اُن کی جان کو ماتم
اب کہو تم کدھر سے آتے ہو — باقی کی داستاں سناتے ہو
طوطا بولا کہوں میں کیا مضطر — کبھی دکھن میں ہوں، کبھی اُتر
بولی شہزادی کیا بڑا تھا کام — دیتے آمرت کو جو مرا پیغام
کہا پیغام کا سنوں بھی سخن — کہا آمرت سے کہیو میری بہن
ہولی آوارہ اب شکر پارا — اُس کے دولہا کو سوتے میں مارا
تو، تو رہتی ہے عیش و عشرت میں — میں پڑی ہوں عجب مصیبت میں
طوطا بولا کہ کیا سناؤں میں — بیٹھے بٹھلائے کو رلاؤں میں
کہا لازم ہے اُس کو کرنی خبر — دیکھیں آتی ہے یا نہیں وہ ادھر
طوطا بولا کہ کل میں دوں گا جواب — آج کرنے دو اُسکو عیش میں خواب
کہا شہزادی نے فسانہ کہو — میں بھی شاید کہ سن کے جاؤں سو
کہا کس جا رہا تھا اُس نے کہا — شاہزادہ سرنگ تک پہونچا
بولا طوطا کہ مینا پھر وہ شاہ — گیا لے فوج سب سرنگ کی راہ
قلعہ کے بیچوں بیچ جا پہونچا — جا کے راجہ کو اُس نے باندھ لیا
اور اُسے خوب سی ملامت کی — پر یہی بات تھی قباحت کی

ٹھہری آخر کو درمیاں شادی | لیک دولھا کی خانہ دامادی
یاں ہی چوکا وہ باپ دولھا کا | گر ہوئی عقل، بے وقوف بنا
آنکھ اور منہ قضا کرے ہے بند | سبھی حیران یاں ہیں دانش مند
غرض اس کا وہ راج اُس کو دیا | دھوم سے پھر بنے کا بیاہ کیا
واں کے شہ کے وزیر کی دل بند | برہمن ایلچی سے ہولی پیوند
ایلچی بنڑا بن ہوا تیتار | دیو کو مار لے لی اُس کی بار
دونوں کے بیاہ کا کہوں گر ساز | تو کہانی یہ ہو گی دُور دراز
یاں سے آگے سنو نصیب کا کھوٹ | ہوا جو اُس کا باپ آنکھ کی اوٹ
شاہزادے کو سوتے میں مارا | دُلہن اُس کی ہوئی بس آوارہ
وہ اُدھر روتی ہیں اِدھر روتا | وہ دُلہن اُس کی اور میں طوطا
پھروں ہوں ڈھونڈتا ہر ایک دیار | کہ کہیں لاش وہ ملے اک بار
تو اُسے چھاتی سے لگاؤں میں | بچھڑا اپنا رفیق پاؤں میں
میں سنا ہے کہ کرکے کایا پلٹ | ایک طوطے کے وہ گیا تھا گھٹ
لاش دیکھوں تو اُسکو کروں خبر | پر وہ طوطا جو مجھ کو آئے نظر
گر پڑی شاہزادی اُسکے پاؤں | کہ ملے دیکھنے کا گر تجھے داؤں
کہتی طوطے سے تو کہ تیری دُلہن | لاش کو اب تلک تو کرکے جتن
لیے بیٹھی ہے اُس کو ٹانک دے | قالب اپنے میں آ ترے صدقے
بولا وہ صبح ہوئی نہ کر اب بات | دوں گا اسکا جواب میں کل رات
اور آمرت سے بھی کہوں گا حال | آگے پھر اُس پہ گذرے جو احوال
بولی واری گئی ترے طوطے | کل یہ دونوں جواب دیجو مجھے
کرکے اقرار اُڑ گیا طوطا | دیکھیے آگے اب بنے ہے کیا

ساقی نامہ در بیان بند شدن طوطی و روانہ شدن سحر جانب دشت تنہا

ساقی ہے عنقریب صبح وصال — لاؤ ساغر کرے جو دور ملال
شب غم جائے روز روشن ہو — داغ ہو باغ، سینہ گلشن ہو
شیشہ میں مے ہے یہ مسیحائی — جلد آب حیات لا بھائی
مردہ دل جو ہیں جی اٹھیں پھر کر — پاوے جان شاہزادے کا پیکر
کہتے ہیں اب سخن کے یوں راوی — یہ نہ سمجھو کہ میں بھی ہوں راوی
شاہزادی کو جوں سحر وہ ہوئی — ہوئی نوروز کی سی اسکو خوشی
ہوا آخر کو اس کا اوج شروع — کیا خورشید نے افق سے طلوع
شادی سے پر قلق تھا ہر اک دم — بے قراری تھی دل کے تئیں پیہم
اس نے تحقیق اب تو جانا ہے — کہ یہ میرا ہی سب فسانا ہے
وعدۂ وصل آن پہونچے جلد — آتش شوق تیز تر گردد
کھانا کھایا شتاب اس نے منگا — بارے سکھیوں نے اس کی شکر کیا
گڑگڑی لے کے چھوڑتی تھی دھواں — گرد گل جیسے سنبل پیچاں
لب پہ مہنال کا یہ کچھ تھا سماں — جیسے انگشت حیرت اور دنداں
پان بھی کھا، کیا تھا سرخ دہن — جس طرح پھر کے ہو شگفتہ چمن
مسّی کی انگلی دانتوں پر تھی جڑی — سیم پر اک سیہ قلم تھی پھری
چشم میں سرمہ ڈالا کاجل بھی — آشب قدر آنکھ میں چمکی
تیل بھی سر میں ڈالا کنگھی کی — حبش اور زنگ کی نمود بڑھی
دی چمکتی مباف چوٹی میں اینچ — جوں کسوٹی میں زر کا خط دیں اینچ
کپڑے بدلے گیا وہ حال تباہ — نکلے ہے جس طرح گہن سے ماہ

تھوڑا تھوڑا سبھی سنگار کیا
پھر خزاں کے تئیں بہار کیا

لگی ڈھولک کے کاندھے پر ٹکنی
طبلے پر بھی ہوئی دبی ڈگی

کان طنبورے کے مروڑے گئے
دشمنوں پہ وہ تان توڑے گئے

کان کو رکھ کے تان سن لی کہیں
بات بھی دھیان رکھ کے سن لی کہیں

بیٹھی بن کر ادا سے مونڈھے پر
کہا سکھیوں سے کھیلو تم چوسر

میں تمھیں دور سے بتاؤں گی
بازی بگڑی ہوئی بناؤں گی

غرض اس طور دن ہوا وہ تمام
اب سنو تم کہ جوں ہی آئی شام

نیند کا کر بہانہ وہ دل بر
گری جا کر اسی بچھونے پر

کروٹیں لیتی اور کہتی خدا
کس گھڑی آن پہونچے گا طوطا

آج میرا جواب لاوے گا
یا دغا دے کے یوں ہی جاوے گا

دیکھیں طوطا اسے ملے کہ نہیں
کہ وہ سن ٹال دیوے اس کے تئیں

مجھ سے اب وہ ہوا تھا کیا خوشنود
کہ وہ سنتے ہی ہوگا آ موجود

اس کو آنا جو ہوتا تو آتا
پھر بہانے سے کچھ تو کہہ جاتا

گر وہ طوطا بنا تھا تو اک بار
آ سنا جاتا اپنی کچھ گفتار

جانتا تو وہ تھا مرا احوال
کیوں ادھر کا کیا نہ اس نے خیال

گر مرے باپ کو وہ سمجھا شریر
تو بھلا میری اس میں کیا تقصیر

ابھی باتوں میں تھی کہ طوطے نے آ
اس کے تئیں آشنائی اپنی سنا

پہلے مینا سے کر سلام علیک
پھیر شہزادی سے کہی لبیک

شاہزادی نے اٹھ کہا واری
کہہ جواب، اب سنوں میں دکھیاری

بولا شہزادے کی تو پھر کہوں گا
لیک آمرت کے تئیں دیا میں سنا

وہیں وہ سن کے بس ضعیف ہوئی
گر پڑی جیسے تھی کبھی کی موئی

پھر اُٹھی تو کہا کہ سچ ہے مگر — طوطے لایا تو کس طرح کی خبر
ڈر سے لوگوں کے وہم ہوتی ہو — لیک پھر چپکے چپکے رُوتی ہے
سوچتی ہے نہ کوئی سُن پاوے — چاہتی تو کہ اس طرف آوے
شاہزادی یہ سُن کے واں کی خبر — لائی آنکھوں میں اپنے آنسو بھر
پھر لگی کہنے کیوں میاں طوطے — ذکر پر شہ کے چپ ہو کیوں ہوتے
گر بلا ہو تو کچھ بتاؤ تم — نہیں تو صاف کہہ سُناؤ تم
بولا وہ یاں سے ہے بہت بیزار — اُس نے مجھ سے کیا ہو اک اقرار
لاش گر میری دیکھ آوے تو — تو میں جاؤں گا اُس طرف کو کبھو
پھیر قالب میں جی یہ تب آوے — کہ مرے ملک ساتھ وہ جاوے
ملک کا اپنے پھر نہ لیوے ناؤں — ساتھ تیرے چلی چلے اسی پاؤں
بولی وہ ہے قبول بندی کو — پر وہ آ تھام سکے مرے جی کو
بولا طوطا کہ لاش ہے وہ کہاں — مجھ کو جلدی سے لے کے چلیے وہاں
اُس کو لے گئی بغیر سعی و تلاش — کھول صندوق پھر دکھائی لاش
لاش دیکھی تو کر کے کایا پلٹ — طوطا شہزادہ بن گیا جھٹ پٹ
بس تشکر بجا اُس کے پاؤں پڑی — ہوئی راہی شتاب اُسی دن گھڑی
شاہ بولا کہ طوطے کو بھی لا — کہ یہ ہم نام ہے مرا طوطا
اُس کے قالب میں یہ کہانی کہی — لاش میں اُس کے رکھا اپنا جی
باپ نے تیرے ایک کاڑا بھیل — بھیجا قاتل مرا ہوا میں قتیل
تازہ طوطا ہوا تھا اک ہم نام — جی کے میرے یہ قالب آیا کام
اب اسے چھوڑ مت کہ تھا یہ رفیق — کوئی بھی چھوڑتا ہے اپنا شفیق
بھاگے یہ باتیں کرتے راتوں رات — دونوں نے کی شتاب واں سو لات

نکلے اُس ملک سے بہ دشواری — پاؤں میں خار کھینچتے خواری
آبلوں کا وہ درد، بھوک پیاس — خوف سے دشمنوں کے کرتے ہراس
پہنے کپڑے فقیروں کے مانند — اس طرح نکلے راجوں کے فرزند
کیا کروں دورِ چرخ کی تقریر — پل میں شاہوں کے تئیں بنادے فقیر
لعل کو بیچے ہر یہ سنگ کے مول — تاجِ شاہی اُلٹ کرے کجکول
ملک اور مال پل میں لے لیوے — تخت اور بخت سب اُلٹ دیوے
دَور میں اسکے یاں کسے ہو ثبوت — تخت سے کر دے تختۂ تابوت
کہاں سکھیاں کہاں وہ ملک و دیار — کہاں وہ گل کہاں وہ باغ و بہار
کہاں ایواں کہاں وہ مسند و فرش — کرسیاں رکھتی تھیں جو رفعتِ عرش
اب تو جنگل ہے لق و دق ناچار — لیک صد شکر ہے کہ پاس ہے یار
صحبتِ یار میں جسے ہے فراغ — اُسکو ہے دشت بھی بہشت کا باغ
بارے اک جا پہ دیکھا سبزۂ و آب — راہ کے ماندے بیٹھے آکے شتاب
کچھ درختوں کا میوہ چُن کھایا — پیا ٹھنڈا سا پانی جو پایا
اک عمارت بھی واں بنی تھی قدیم — سنگِ مرمر کا گنبد اُس میں عظیم
دیر کی شکل یا کہ مسجد سی — خوب دل چسپ اچھی تھی جیسے بہی
چار دیواری تھی سفید اور در — گرد شب کھینچی ماہ نے چادر
آبِ مہتاب اور کنول وہ سفید — شب دِوالی تھی اُس جگہ دن عید
دونوں کا چاندنی میں واں پھرنا — نورِ مہ کا زمین پر گرنا
وہ مکاں اور وہ آب سیر رکھے — جانور جا بجا بہت بیٹھے
وہ مکاں سب سفید اور محل — اک لبِ آب پر کھلا تھا کنول
گونجے گنبد پہ واں کبوتر آ — بگلے تا نہ دن کا چہل اور غوغا

گونجے مرغابیوں کا یک سو شور اک طرف ناچنے کو لگتے مور
اک سماں تھا اگرچہ وہ غوغا پر یہ حیران تھے کہ ہے یہ کیا
دیکھ ہم کو یہ شور کرتے ہیں پر نہیں آدمی سے ڈرتے ہیں
اک طرف آہوؤں کی تھیں ڈاریں اک طرف نعرے قرقریں ماریں
شاہزادی کرتے تھے واں سیر محل اُن کو ہوا وہ دشت اور دیر
خوبرو جس جگہ ہوں ہو وہی خوب بھلے لگتے ہیں ہر جگہ محبوب
پایا اُس دشت کا مزا کچھ خوب بعد اک عمر کے ملا محبوب
پیچھے غم کے جہاں کا ہے دستور کہ یہ دیتا ہے ایک آن سرور
جب خوشی سے ذرا ہوئے مسرور پھر کیا بار غم نے چکنا چور
زندگی دونوں کی دوبارہ ہوئی پچھلی تقویم ہجر پارہ ہوئی
پڑھا نوشہ نے دوہرا اک اُس جا جس نے دُولہن کا دل لیا تھا لبھا

دُوہرہ:- کا کروں بکنٹھ لے ور کلپ برج کی چھانہہ
احمد ڈھاک سہاونے جو پیتم کے گل بانہہ

سُن کے دُولہن نے یہ جواب دیا یاد آیا ہے مجھ کو بھی دوہرا

دُوہرہ:- خسرو رین سہاگ کی جاگی پی کے سنگ
تن میرا من پی کا دونوں ایک ھی رنگ

بولا دُولہا کہ دوہرہ ہو اک اور یاد آیا مجھے ابھی فی الفور

دُوہرہ:- احمد گت اونار کی بھول گئی سنسار
بچھڑے مانس پھر ملیں یہی جان اوتار

ہو ہم آغوش کرتے بوس و کنار اور کسی بات کا نہ تھا انکار
ٹھنڈی باد اور ہوا وہ خوش آیند کھول ڈالے تھے بند جو تھے بند

سو طرح سے ہوس ہوئی گستاخ / تنگ کوچے ہوئے خوشی سے فراخ
کھلے یک بار جو کہ بند تھے در / ہوا جنگل بہشت انھیں یکسر
نہ تھا ازبس کہ دشمنوں کا خلل / در میں جنگل میں ہو گیا منگل
خوں ہوا غنچہ کا اگر دل تنگ / پر چمن کو ملا تھا اور ہی رنگ
گو رلایا ملا دلہن کو وہاں / شبنم گل کا تھا عرق سے سماں
دشت سبز اس جگہ کا تھا دل شاد / دیں نسیم و صبا مبارکباد
کیا نخل مراد نے سایا / دولہا دلہن نے کام دل پایا
خوش ہوئے پنچھی دشت کے سارے / آنکھ میں دشمنوں کے انگارے
قرقروں سے ہر ایک آہو کہے / موند لے آنکھ جو نہ دیکھ سکے
خوب ازبس ہوئے تھے مست وصال / غسل کے بعد سو گئے فی الحال
سایہ باغوں کا ٹھنڈی باد چلی / دونوں کی اس جگہ پہ آنکھ لگی
آنکھ لگنے کا وال تھا کون حساب / بخت نے دونوں کے کیا تھا خواب
دم کے دم پائی تھی ٹک آسائش / پھر قضا کی کچھ اور ہوئی خواہش
چاہا دونوں میں تفرقہ ڈالے / مریں فرقت میں چاہنے والے
عاشقوں کو وصال سے کیا کام / عشق کرتا ہے سب پہ عیش حرام
ہے ازل سے جہاں کا یہ اسلوب / ایک جا ہوں نہ طالب و مطلوب

خواب نمودن طوطی و فکر آیزد و آمدن تا مرز شاہزادہ و بردن لشکر یارا ہمراہ خود

ساقیا جام ہجر کا غم ہے / بادہ لا بادہ اب ترا غم ہے
ہوتے ہیں پھر وہ دونوں آوارہ / مے کا پی لوں میں جام یکبارہ
گذروں دو دن کی بادشاہی سے / بچوں اس دور کی تباہی سے

میں گدائی میں سلطنت بخشوں — پیوں مے اور غنی ہو بیٹھ رہوں
قصرِ شاہی کی بھولوں تیاری — کہ اسے کچھ نہیں ہے پائداری
ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت — رفت و منزل بہ دیگرے پرداخت
واں دگر پخت ہمچناں ہوسے — ویں عمارت بسر نہ برد کسے
یارِ ناپائدار دوست مدار — دوستی را نشاید ایں غدار
راوی کہتا ہے چرخ نے اک بار — وہ چھڑا قصر اور اُن کا دیار
مئے غفلت دی اُنکو بھر کے شتاب — اُنکو مستی سے آیا دشت میں خواب
ناگہہ اک شاہزادہ بہرِ شکار — گذرا اُدھر سے تازی پہ ہو سوار
ہاتھ میں ایک باز بال فشاں — اور کرتا تھا اسپ کو جولاں
کر گئے رم سب آہو اور کلنگ — وہ مسافت سے راہ کی دل تنگ
تشنگی اُس پہ لائی تھی غلبہ — دیکھ پانی کو گھوڑے سے اُترا
پی کے پانی نگاہ کی جو شتاب — دیکھا دو آہو واں کریں ہیں خواب
ایک اُن میں پری کی شکل بہ ناز — ایک جوڑا اُسی کا ہے دم ساز
دل میں خوش ہو کہا ہے زورِ شکار — نیک ساعت ہوئے تھے آج سوار
جوڑے کو اس پری کے دیجے چھوڑ — اِس کو لے، دیجیے اِس کا جوڑا بچھوڑ
حبشی تھا غلام اُس کے ساتھ — کہا دونوں کے باندھ چپکے سے ہاتھ
رسّہ اُس کا درخت سے باندھا — اُس پری کو پھر آپ کھینچ لیا
جلد اُس کو بٹھا لیا پسِ پشت — پشت سے اپنے باندھا کھینچ درست
خواب سے چونک کر وہ چلّائی — پر نہ اُس بن میں داد کچھ پائی
ہوا صرصر کی شکل واں سے رواں — پھر نہ پایا صبا نے اُس کا نشاں
گو نہ چاہا تھا اُسکو رونے بیچ — خوف سے دم بخود رہی لیکن

شاہزادے کو ہوش جب آئے — ہاتھ اپنے وہاں بندھے پائے
پائی محبوب کی جگہ خالی — ہے جو اسی سے راہ صحرا لی
دانتوں سے ہاتھ کھوتا جاتا — پیٹتا سر کو اور گھبراتا
دیکھا اِدھر اُدھر بیاباں کو — پایا اپنے نہ ماہِ تاباں کو
مگر اک سُمِ اسپ کا تھا نشاں — اُس کے پیچھے یہ ہوا اُدھر کو رواں
بھولا حیرت سے نالہ و فریاد — کہا گردوں نے کی عجب بیداد
سہم سے خشک ہو گئے آنسو — آسماں کی طرف کہہ کر رُو
اے فلک یہ بھی ہے کوئی بیداد — بن چھری مجھکو مارا اے جلاد
آگے تو قتل ہو چکا تھا میں — یہ ستم تازہ اور دیکھا میں
ایک دم کی تھی آکے یاں راحت — کہ برے سر پہ لایا یہ آفت
کر دیا اس طرح سے آزاد — میں کہیں اور کہیں شکر پارا
اے فلک کیا مرا ستارہ ہے — کہ یہ مجھ پر ستم دوبارہ ہے
اے فلک کیا ہے تجھے تیرے نصیب — دمبدم جو ملا فراق حبیب
اے فلک تجربے تو موت بھلی — آتش غم سے آہ جان چلی
اے فلک کوئی نہیں طبیب یہاں — پوچھوں جو اپنے درد کا درماں
میں مسیحا کوئی کہاں پاؤں — جس سے اب جاکے فال دکھلاؤں
اے فلک کچھ بھی ہے بھلا چارا — کہ ملے پھر مجھے شکر پارا
کوئی یاں آکے لے گیا اس کو — اس بیاباں میں پوچھوں میں کس کو
جانور یا درند کا نہیں نام — کرتے ہیں آہو آن کر آرام
سنگ دل آدمی ہے کوئی سوار — میرے آہو کو کر گیا ہے شکار
گھوڑے کے سُم کا ہو نشاں جو یہاں — اُس سے جاتا ہوں ڈھونڈتا میں نشاں

پھر کہا کیوں مجھے خبر نہ ہوئی　　شبِ غفلت مری سحر نہ ہوئی
بے وفا بھی نہ تھی شکر پارا　　جانی جو مجھکو کر کے آوارا
ہو تو ہو زن کا اعتماد نہیں　　زن کو غیر از جفا کے یاد نہیں
پھر کہا آپ ہی اُس پہ یہ ہے بہتاں　　وہ کہاں اور بے وفائی کہاں
کبھی کہتا کہ دیکھ خوب جواں　　ہوئی شاید کسی کے ساتھ رواں
جب تلک اور کو نہ دیکھا تھا　　تب تلک اُس کی آنکھ میں تھی حیا
نظر آیا ہو اب جو نامحرم　　چڑھ گیا ہو وے آنکھ میں عالم
کبھی کہتا یہ چاہتا ہے قیاس　　بیٹھی خوش دل وہ ہوگی اور کے پاس
ابھی کیا دیکھا اُس نے دُنیا کا　　اُس کو ان باتوں کا نہیں ہے مزا
جاتا تھا باندھتا وہ منصوبے　　اُچھلے اور بحرِ غم میں پھر ڈوبے
اور اُدھر جانی تھی شکر پارا　　خستہ و زار اور آوارا
کہتی تھی کس سے دل کا حال کہوں　　موت آ جاوے تو ہیں میں رہوں
رام جی تم ہی رکھیو میرا ست　　دیکھی نہ محرموں کی میں صورت
یہی قسمت کا تھا مرے لکھا　　آگے دیکھوں نصیب میں ہے کیا
ٹک بچی تھی خدا خدا کر کر　　موت آتی ہے پھیر مجھکو نظر
آئے تو گھر ہی میں تھا غم کھانا　　لے چلا اب تو مرد بیگانا
بات اب کون سی بناؤں میں　　کس طرح آپ کو بچاؤں میں
نہ یہاں ماں نہ باپ ہے نہ بہن　　میں ہوں دُشمن ہیں میرے اور یہ تن
نہ کوئی بات پوچھنے والا　　نہ کوئی جان کا ہے رکھوالا
اب بغیر از خدا نہیں کوئی　　سچ، بُرے وقت کا نہیں کوئی
آنکھ نوشہ کی جب کھلی ہوگی　　اُس پہ واں کیا گذر گئی ہوگی

کہتا ہوگا کہ کہاں گیا کوئی　　لے گیا یا کہ اُس کو آ کوئی
یا کہ ہوتی ہے بے وفا رنڈی　　ساتھ لگ کر کسی کے جاتی رہی
یا وہ بس صبر کر رہا ہوگا　　دل میں کیا جانے کیا کہا ہوگا
یا وہ وحشی سا پھرتا ہووے گا　　اُٹھ کے ہر جا پہ گرتا ہووے گا
روتا ہووے گا یا وہ دھاڑیں مار　　ہو رہے گا خموش یا ناچار
یا وہ ہے مرد، غم نہ کھاوے گا　　دل کسی اور سے لگاوے گا
کہتی یہ اُس کے ساتھ جاتی تھی　　تھی بندھی اور تلملاتی تھی
کہتی فرصت ملے تو جاتی رہوں　　آنکھ اُس کی بچا کے آتی رہوں
اتنے میں آیا سامنے دریا　　کہ تھا جس کا کہیں نہ تھل بیڑا
کہتے اُس کو محیط یا عمّال　　یا وہ طوفان نوح کا تھا تمال
آسماں تک تھی اُسکی جاتی موج　　بلکہ افزودہ اُس سے اُس کا اوج
کوئی جیتا نہ اُس میں تھا جاکر　　آدمی، کشتی ڈوبتی آ کر
جانور پانی پیتے اُس کا جب　　تو نہ بچتے ہلاک ہوتے سب
لگتا پانی کلیجے کو جوں تیر　　گرم آتش سے اُس کی تھی تاثیر
اُس میں گھوڑے کو ڈال وہ مغرور　　چاہا جلدی کرے وہاں سے عبور
ڈر سے کی نازنیں نے اک فریاد　　تیغ دکھلانے وہ لگا جلّاد
تب وہ ناچار ہوگئی خاموش　　لیک باقی رہا نہ اُس میں ہوش
گھوڑا دریا میں اُس نے ڈالا شتاب　　ہوا دریا وہیں مثال سراب
صاف وہ پار اُتر گیا اُس سے　　تیر سا بس گذر گیا اُس سے
پار اک شیر نر نظر آیا　　یہ ڈری اُس نے آ سلام کیا
آگے اک اژدہا تھا شعلہ فشاں　　اُس نے بھی سر جھکایا آکے وہاں

کہیں آتش ملی، کہیں پھر باد — کہیں خاک اُس سے جو ہوجی ہو باد
کہیں باران و ابر اور کہیں برق — پر یہ جاتا جہاں وہاں سے بہ فرق
غرض اِن سب کو طے کیا ناگاہ — آگے اک قصر آیا عالی جاہ
کُھلا جاتے ہی اِس کے اُس کا در — ہوا داخل وہ قصر کے اندر
گھوڑے سے اُترا اور اُتارا وہیں — آہ اُس ماہ کو بہ روئے زمیں
گھوڑا اور وہ غلام اور وہ باز — کھول کر بال کر گئے پرواز
تب تو دل میں وہ سمجھی ماہ جبیں — کہ طلسمات کی یہ سب ہے زمیں
یاں سے چھٹنا محال ہے اپنا — جیتے بچنا خیال ہے اپنا
سوچ میں تھی کہ ایک گل اندام — آئی اور آ کیا جواں کو سلام
نازنیں حسن میں، جمال میں خوب — اُس کو دیکھا تو ہے غضب محبوب
لیک چہرے پہ اُسکے اک غم ہے — یہ بھی خوبوں کا ایک عالم ہے
کہا ہُرمز گئے تھے ہو جو سوار — لائے بھالی کہو کچھ آج شکار
بولا ہُرمز کہ اب تو بہنا لآل — یہ شکار ہاتھ آیا ہے فی الحال
لیک کرتا بہت ہے رم مجھ سے — رام ہو جائے شاید اب تجھ سے
اس کو لے جا کے سیر باغ دکھا — سب مکانات با فراغ دکھا
لآل نے اسکا لیکے ہاتھ میں ہاتھ — لائی خوش خوش محل میں اپنے ساتھ
پہلے در دیکھا اُس کا عالی شان — وصف میں جسکے قاصر اب ہو زبان
در کے ہر باب میں تھی اک تصویر — لعل و گوہر کا جس کا اصل خمیر
اور دیواروں میں بھی تصویرات — کار بہزاد و مانی اُس سے مات
چھت پہ کیا اور زمیں پہ کیا دیکھے — بُت جواہر کے جا بجا دیکھے
جس طرف دیکھا پُتلیاں ہیں کھڑی — لیک سب ہیں جواہروں میں جڑی

جس کو دیکھا تو ایک کام میں ہے	کوئی مجرے، کوئی سلام میں ہے
کوئی بیٹی، کوئی پلاتی جام	کوئی کھاوے کوئی کھلاوے طعام
کوئی کچھ بیچے، کوئی کچھ لیوے	کوئی کچھ مانگے، کوئی کچھ دیوے
کہیں مینڈھے، کہیں دکھائے ہرن	پر کچھ انسان کا سا آن کا برن
کہیں ہاتھی بندھے کہیں گھوڑے	جانور ڈھیر آدمی تھوڑے
کہیں تو سر کٹے ہی ملتے تھے	کہیں بن سر کے لوگ بستے تھے
اُنکے گھر گھر میں پھولوں کی چھڑیاں	پائینتی اور سرہانے کو کھڑیاں
وہ اُٹھاتی ہیں اور بٹھاتی انھیں	نت سُلاتی ہیں اور جگاتی انھیں
کہیں سورج طلا کو کی جو نگاہ	کہیں چاندی کا اک بڑا سا ماہ
آسماں اک بنا مقوے کا	چمکیں رخنوں سے تارے ہر اک جا
شب چراغاں جو کرتے تھے یکسر	تو اُنھوں سے تارے آتے نظر
تیلیئے رنگین تھے ہزار ہزار	پیچھے اُن کے چراغوں کی تھی بہار
ہیں ساعت کے بعد واں کے نہال	جانور بولیں جوں بجے گھڑیال
پُتلی ہر ایک خوش ادائی میں	بُت نہ تھا واں کا سا خدائی میں
ڈھنگ ہر اک کا اور نام جدا	جس کا دیکھا تو ایک کام جدا
کوئی ناچے ہے کوئی گاوے ہے	کوئی کچھ ساز ہی بجاوے ہے
نخل سرسبز گل تمام کھلے	لیک پریوں کا نقشہ اُن میں ملے
برگ میوے گل اور سب اشجار	جس کو دیکھا وہاں تھا صورت دار
حوض، نہروں میں مچھلیوں کا سماں	نصف پر ماہی اور نصف انساں
تازہ تیاری سب مکانوں کی	بادشاہوں کے بھی جو گھر میں نہ تھی
کوٹ موتی زمیں پہ فرش کیا	لعل و گوہر رکھے چھتوں میں لگا

سیم بافی کی چلون اور پردے　　پر تھا دیرے تمام بھرے
مسند اور تکیے تھے سبھی گلدار　　گوندھ کر پھولوں کو کیا تیار
سر کھٹ ایک بار میں معلق تھا　　زر سے ساز اُس کا سب مغرق تھا
کرکے باغوں کی اور مکان کی سیر　　بیٹھیں مسند پہ دونوں جا کے بخیر
لاکی بولی تمھارا نام ہے کیا　　بولی ہم غمزدوں سے کام ہے کیا
بولی ہو غمزدی بلا تیری　　نام بتلا نہ ڈر بلا سیری
میں نے تجھکو کیا ہے اپنی بہن　　کھول کر دل کو مجھ سے کر یہ سخن
تب وہ بولی کہ میں ہوں آوارہ　　نام عاجز کا ہے شکر پارا
بولی کیا دُکھ ہے تجھ پہ ایسا ہی　　کہا اُس نے کہوں گی تم سے کبھی
کیا اتنے میں آکے اک نے سلام　　کہا چلیے کہ گرم ہے حمام
لال بولی چلو شکر پارا　　کپڑے ہو گئے ہیں سربسر پارا
غسل کر جلد لیں ہم پوشاک　　سر پہ عالم کے غم کی ڈالیں خاک
بولی وہ غمزدوں کو خوب ہی غم　　بولی یہ تجھ کو میرے سر کی قسم
بولی وہ اختلاط کی خوبی　　کس کو بھائی ہے یاں خوش اسلوبی
بولی وہ مجھ سے گر نہیں خورسند　　جس کو تو چاہے اس کی ہی سوگند
ہے صفائی بدن کی کرنی خوب　　پاس بیٹھی ہو تجھ سی اک محبوب
گئی بارے یہ اُٹھ کے اُسکے ساتھ　　لے گئی لال اُس کو ہاتھوں ہاتھ
تھا طلسمات کا وہ اک حمام　　جس میں جمشید نے رکھا تھا جام
آئینہ کا بنا ہوا اک ذات　　اور اُس میں عجیب تصویرات
در پہ رکھتے ہی پاؤں کانپ اُٹھا　　لیک تصویر دل نے رکھا تھا تھما
گنگیاں پتلیاں وہ دو لائیں　　دونوں نے اک ادا سے پھر باندھیں

ہاتھوں میں تاس جا زری کے تھے سفید   رکھتے تھے ماہ ہاتھ میں خورشید
حوض کا گرم سر پہ ڈالا آب   ہوئے اک جا پہ آب اور سیماب
غوطے جو مارے حوض میں جا کر   ڈوبی خجلت میں وہیں آب گہر
عرق آیا تھا اسکے تئیں جو وہاں   تو ہوا تھا عرق فشاں نیساں
در کے دو سامنے تھیں تصویریں   لالن نے اک کیا اشارہ انھیں
ایک لے آئی چینی کا جھانواں   ریشمی کھیسا ایک لائی وہاں
دونوں کام اپنے اپنے کرنے لگیں   اور آئیں سو حوض بھرنے لگیں
گدگدی بھاذیں کی ذرا جو تھی   تو شکر پارا کھل کھلا کے ہنسی
جب زیادہ ہوئی خراش دہیں   تب چڑھائی پھر اس نے چین جبیں
چین پیشانی ہوئی وہ آب کی موج   غمزے کی اور ادا کی اڈی فوج
کبھی جھانوے سے پاؤں کھینچ لیا   کبھی سر کایا ہاتھ سے کھیسا
لالن نے اپنے ہاتھ پاس لیا   پانی شکر بدن پہ ڈال دیا
آپ ملنے لگی بدن کے تئیں   اس نے کتنا کہا نہیں جی نہیں
کھلی آخر کے تئیں شکر پارا   چھینٹا آنکھوں میں اسکے اک مارا
اس نے بھی مارے اسکے چھینٹے خوب   کر چکیں غسل دونوں اس اسلوب
لال ہوئی آنکھ جب لگا چھینٹا   بن گئی آنکھ نرگس شہلا
حوض سے نکلی جس گھڑی وہ نہا   آئینہ سا بدن چمکنے لگا
جوں کنول نکلے تازہ پانی سے   یوں بدن تھا عرق فشانی سے
یوں وہ بھیگا بدن نظر آوے   جیسے پھولوں پہ مینھ برس جاوے
آب اور آئینہ اور اس کا بدن   دیکھا از بر نظر سے بھی روشن
آب سے گرچہ مہ کو کیا ہو صفا   ہو گئی مہ سے آب کو تو ضیا

جامہ خانے میں بیٹھیں پھر وہ جا　　دھرا آگے مقابہ اپنے منگا
لائے بھر کشتیوں میں پوشاکیں　　یک دگر بن بنا سجیں نائکیں
ایک انگیا کے بند کستی تھی　　ایک دیکھ اُس لی چھب کو ہنستی تھی
آرسی دیکھ پہنے وہ پوشاک　　شاہزادی چڑھائے ہنس کر ناک
وہ جو بالوں میں ڈالتی تھی تیل　　کنگھی کر کر کے ہنستی یہ اٹکھیل
پان کھا کر وہ مسکراتی تھی　　اک لگا مسّی منہ بناتی تھی
وہ جواہر پہن بناتی سنگار　　ڈالتی ہنس کے یہ گلے میں ہار
وہ منگا کر لگی جو کھانے طعام　　اُس نے جھک کر کہا برنج ہیں خام
ہاتھ میں اُس نے مے کا جام لیا　　منہ لگا اس نے کچھ پیا نہ پیا
وہ لگی پڑھنے کچھ جو شعر وہیں　　مصرعہ اُس نے پڑھا اک آہ حزیں
یا کیا نالہ جو گیا جی جل　　سُننے والوں کو بھولے شعر و غزل
دیکھ لالی اُس کو یوں لگی کہنے　　مجھکو نکتوڑے سب ترے سُہنے
پر بلا چھوڑوں گی مے گلرنگ　　ہے یہ دل کے غبار دھونے کا ڈھنگ
پھیر منہ کو شراب ڈال دیا　　اُس نے پی جام اس کا ہونٹ مَلا
جب نشہ میں بہت ہوئی سرشار　　تب کہا لالی نے بہن دلدار
تجھکو کیا دکھ ہے مجھکو بتلا دے　　دل کا جو مدعا ہے فرما دے
کیا بنایا ہے حال کہہ تو مجھے　　کپڑے جو ہیں پھٹے تو لب ہیں چھٹے
بال سر کے کھلے ہیں تو ہیں کھلے　　خاک میں تن بدن ہُوے تو رُلے
بڑھے ناخن تو کچھ نہیں ہے خیال　　عید کا اُن کو جانتی ہے ہلال
مو پریشاں ہے تو وہ ہے سنبل　　اور گریباں ہے چاک تو ہے گل
جھائیوں کے پڑے ہیں منہ پہ جو داغ　　حسن کا اپنے اُن کو سمجھے باغ

گر ہے یہ بھی تو اک رکھے ہے بہار / پر کوئی ہو کے گل بنے کیوں خار
بولی یہ اُس کا دل جو تھا سادہ / میرا خاوند اک ہے شہزادہ
بیاہ کر مجھکو لے چلا تھا وہ آہ / پہونچے جنگل میں ہم وہ ہو کے تباہ
واں تھکے ماندے دونوں کرتے تھے خواب / پہونچا ہرمز کہیں سے آ کے شتاب
مجھکو سوتے میں جا کے لے آیا / داغ نوشہ کے دل پہ دے آیا
نام سنتے ہی حرمش آ پہونچا / خوب سا سج سجا بناؤ بنا
سر سے لے پاؤں تک جواہر پوش / ہاتھ میں جام مست اور مدہوش
چاہا اُس سے کرے وہ بوس و کنار / بولی یہ اپنے تئیں مروں گی مار
بولا وہ مجھ سے کس لئے ہو ملول / عیب کیا ہے نہیں جو کرتے قبول
میں تمھارے غلام کا بندہ / کہو دوست میں ہوں کام کا بندہ
جان و دل سے فدا ہوں میں تم پر / ایک باری کرو کرم کی نظر
ہاتھ سے میرے ایک جام پیو / دو دُعا میں ہزار سال جیو
نہیں یاں سیکڑوں بلائیں ہیں / یہ نہ ہوگا کہ جلتی جاؤ کہیں
پس یہ بہتر ہے مجھکو شاد کرو / پچھلے معشوق کے تئیں نہ یاد کرو
بولی وہ ہے ابھی مرا خاوند / اُس کے جیتے نہیں یہ مجھکو پسند
اُس کو مارے کوئی کہ مر جاوے / تو شکر یار ترا ہاتھ پھر آوے
بولا کیا ہے مجھے جو میں ماروں / کیوں طلسمات میں نہ اُسکو رکھوں
اُس کا اِس جا کہاں گذارا ہے / اب تو میں بے اجل ہی مارا ہے
بولی وہ تم کو تو ہے سب قدرت / اک برس کی مجھی کو دو فرصت
سال میں گر پھرا نہ وہ محرم / پھر ہمارے ہو تم، تمھارے ہم
قول بولی چلو قبول کرو / شاہزادی کو مت ملول کرو

جام کا دور پھر تو چلنے لگا	پیالوں میں خم سے بادہ ڈھلنے لگا
لائیں تصویریں اپنا اپنا ساز	ناچنے گانے میں ہزاروں ناز
چڑھے سارنگیوں کے جوں ہی تار	نکلی رگ رگ سے آہ یاں یکبار
جب الاپے انھوں نے راگ اس آن	تان کے ساتھ اس کی نکلی جان
دم بہ دم اس کا رہے چہرہ زرد	یہ وہ سمجھے کہ جس کے دل میں ہو درد
دھوم تھی گانے اور بجانے کی	چاہ تھی دیکھنے دکھانے کی
منھ پہ دامن اٹھا کے کوئی دھرتی	اوٹ کوئی دوپٹے کی کرتی
بیٹھ کر پاس کوئی بتاتی بھاؤ	کوئی اٹھ جاتی اور بڑھاتی چاؤ
ڈالتی کوئی ماتھے پہ آنچل	بھاؤ بتلاتی کوئی ہاتھ کو مل
جوڑا کوئی باندھے کوئی سنوارے مانگ	کوئی بنا لاتی تھی کسی کا سانگ
کوئی انگیا سے پوٹلی کو نکال	پتلی لے ہاتھ میں اڑاتی رال
کوئی مجلس کے صدقے ہوتی تھی	لے کے چکر پروتی کوئی موتی
کوئی کھڑا کر کے تین تیرو کا بانس	اس پہ چڑھ جاتی اور لیتی نہ سانس
لگتی جا اس پہ بس پھرکنے کو	کانٹے کی جس طرح بھنبھیری ہو
کوئی چڑھتی طناب پر سے جا	سر پہ رکھ اپنے اک گھڑے پہ گھڑا
کوئی چڑھ کے بانس مارتی بندوق	کوئی بازی کا کھولتی صندوق
کوئی آنچل میں کچھ چھپاتی تھی	کوئی کلا بازی کھا دکھاتی تھی
کوئی شیشے کو رکھتی لا سر پہ	اور مٹکاتی اپنا سب پیکر
شیشہ کاندھے سے بازو پر آتا	اور بازو سے کاندھے پر جاتا
کوئی جمدھر کی نوک سر پہ دھر	ناچتی سر سے ٹانگیں اوپر کر
کوئی کبوتر کو مارتی تھی کٹاو	پھر پھڑکنے کو ہوتا وہ تیتا

آنکھ میں کوئی سلائی مارے تھی   منھ سے اُگلے کوئی انگارے تھی
منھ سے کوئی نکالے تیروں کے بھال   کوئی بوڑھا کرے جوان چھنال
کوئی بجا ڈھول غل مچاتی تھی   راگ کوئی جھریوں کا گاتی تھی
کوئی کہے گلگلا سا بیٹا ہو   کوئی کہے ہاں جی خیر سائیں کو دو
غرض ایسا ہی سوانگ نقلوں نے کیا   کہ شکر پارا کو ہنسا ہی دیا
دل ہوا اُس کا آل سے مشغول   گیا نہ ہرمز بھی وعدہ کرکے قبول
یاں سے شہزادے کی سلو تم بات   گھوڑے کے لیکے پے کو وہ بیہات
دن کو چلتا بصد خرابی راہ   رات ہوتی تو گرتا کر کر آہ
اسی صورت وہ با دلِ پُر داغ   لے کے جاتا تھا نقشِ سم کا سراغ
ملا ناگاہ وہ ہی بحرِ عمیق   کہ وہ طوفاں کا تھا نشاں تحقیق
ہوئے واں نقش سم کے سب یک گم   دیکھا نے نقش ہو نہ صورت سم
ہوا حیران نقش پا کی طرح   جوش میں بحر تھا بلا کی طرح
جوگ کے علم سے وو دم کو چڑھا   یک بہ یک واں سے آسماں کو اُڑا
واں سے دریا بھی جوش اک لایا   خوف سے سحر کے وہ پھر آیا
کہا اپنا یہاں گذارا نہیں   کہیں اس بحر کا کنارا نہیں
اس سے کرنا عبور مشکل ہے   اب تمنا ہی دور مشکل ہے
سحر سے میں ادھر ہوں آوارہ   ہے طلسمات میں شکر پارا

نشستن طوطی بر پشتۂ ریگ در لباس جوگی

تب تو اک پشتہ دیکھا اونچا سا   جوگی بن شاہزادہ جا بیٹھا
جوگ سے سب دبلے تھے ہاتھ مُکھا   اور ناخن دیئے تھے خوب بڑھا

سرکی اپنی جٹا بڑھائی خوب ۔۔۔ اینڈ دی سرکی بھی بنائی خوب
سر پہ اینڈری گلے میں تھی مالا ۔۔۔ چھاتی پہ سر پہ ماہ کا ہالا
انگ پہ اپنے سب ملا تھا بھبوت ۔۔۔ باد جنگل کی بس کیا تھا قوت
لال دو آنکھیں تن پہ خاکستر ۔۔۔ ہوں دھند لکے سحر کے جوں اختر
رنگ خاکستری اور آنکھیں لال ۔۔۔ تھا ئے سُرخ رنگ و جام سفال
جوگ کھووے ہے گرچہ محبوبی ۔۔۔ اور عالم کی یاں بڑھی خوبی
فقر شاہوں کا جائے رفت ہے ۔۔۔ یہ بھی عالم کوئی قیامت ہے
مرگ چھالے پہ جب کہ بیٹھے وہ ۔۔۔ مُردہ آہو بھی پھر تو زندہ ہو
آگ گھر میں رکھی تھی لا کے جلا ۔۔۔ مُندرے کانوں میں ڈال جوگی بنا
بانسری اور دوتارا ہاتھ لیا ۔۔۔ ایک سونٹا بھی اپنے ساتھ لیا
آہ و نالہ سے دل جگر کو جلا ۔۔۔ بیٹھا رہتا وہاں ہی دھونی لگا
گر نکلنے میں ہوتی آہ کے دیر ۔۔۔ جل کے ہو جاتا وہیں راکھ کا ڈھیر
نہ رہے جوگی کی منڈھی سونی ۔۔۔ چاہیے اُس میں کچھ نہ کچھ دھونی
کھول کاسہ کی شکل ایا من ۔۔۔ بیٹھا دیدار کا بھکاری بن
راگ اُس کا پکھیرو سنتے تھے ۔۔۔ سر پہ بیٹھ اُسکے سر کو دھنتے تھے
جب وہ گاتا کہ جپنا لے مالا ۔۔۔ آئی اک ہرنی اک ہرن کالا
دونوں بے اختیار روتے تھے ۔۔۔ اُس کے پہلو میں آکے ہو لیے تھے
جب وہ فرقت سے آہ بھرتا تھا ۔۔۔ ہرن اک اُس پہ رمز کرتا تھا
جوگی حسرت سے دیکھ کر رہتا ۔۔۔ پر تعجب سے کچھ نہ تھا کہتا
یہی دریا کنارے تھے اوقات ۔۔۔ یہی تھا شغلہ اُسے دن رات
کرنا اک دن خدا کا ہوتا ہے ۔۔۔ جوگی کچھ جاگتا سا سوتا ہے

کہ ہرن لوٹ کر بنا جوگی — ہرنی بھی لوٹ کر پری سی بنی
جوگی دم کھینچ اُڑ کے پار گیا — واں سے کچھ دیر میں ملول پھرا
ہرنی بھی ہو پری اُڑی اک بار — پھیر پچھلے پہر کو آئی وار
پھر تو شہزادہ ہوا اپنا جوگ — اُس سے پوچھا عجب ہے یہ سنجوگ
ہرنی ہووے پری ہرن جوگی — وہ عجب بھوگی عجب سوگی
دل میں آیا ہی تھا ہرن کے جوش — ہرنی نے آنکھ سے کہا خاموش
چپ ہوا وہ یہ شاہ گھبرایا — زاری کی اور عجز دکھلایا
کہا اس بھید سے کرو آگاہ — کیا گئے تم اور آئے کیا اس راہ
یہ تو دریا ہے جادو کا اسرار — تم گئے آئے کیونکر آر اور پار
تم کو اپنے ہی اپنے سر کی قسم — کہہ دو یہ بھید میرے دل پہ ہو غم
تب ہرن بولا اے پسر ناداں — رنڈیوں کے پیچھے کھو نہ اپنی جاں
سن کہانی کہ ایک دن کی ہے بات — جوگیوں میں میں کاٹتی تھی اوقات
جوگی دیتا تھا ایک جوگی کو پند — رنڈیوں سے بھاگتے ہیں دانشمند
میں نے سن کر کہا غضب اس کا — کہا تریا میں کچھ نہیں ہے دغا
میں کہا جھوٹ تم نہ بولو میاں — انگلیاں پانچوں سب نہیں یکساں
اس میں مجھ میں بہت رہی تکرار — تب کہا قصہ اس نے آخر کار
تجھ کو ہو یاد تو کرے کیوں جنگ — مرد سے کر گئی تھی جو اور رنگ
ایک شہنشہ تھا اک ولایت کا — دونوں عالم کا بادشاہ خدا
اُس کے گھر میں نہ ہوتی تھی اولاد — اس سے رہتا تھا وہ بہت ناشاد
وہ لٹا اپنا غم سے تاج و سریر — چاہتا تھا کہ بیٹھے بن کے فقیر
ایک جوگی گیا گدائی کو — دیکھا واں اس کی بے نوائی کو

اُس کو یہ حال دیکھ رحم آیا ۔ اُس شہنشاہ سے یہ اُس نے کہا
ہے مرے پاس ایک امرت پھل ۔ جا کھلا رانی کو رہے گا حمل
پھر وہ ہو جائے گا جب بہ سنِ شباب ۔ رکھیو دُور اُس سے آئینہ اور آب
شکل میں وہ بہت حسیں ہوگا ۔ اُس کی صورت نہ لائے اُس پہ بلا
پھل غرض جوگی نے وہ اُن کو دیا ۔ کھایا رانی نے اور پیٹ رہا
ہوا کتنے دنوں میں پھر فرزند ۔ شہر کے لوگ سب ہوئے خورسند
دلویتے مل مل کے سب مُبارکباد ۔ راجہ رانی و ملک تھا سب شاد
شادی کی نقل اور دھوم اور دھام ۔ گر گھروں میں تو عمر ہو دے تمام
حسن اُس کا جمال یوسف سا ۔ اُس کا ثانی جہاں میں کوئی نہ تھا
جوڑے بھونرے میں پالتے تھے اُسے ۔ تک نہ باہر نکالتے تھے رات
ہو گیا آخر کو وہ بہ سنِ تمیز ۔ دل میں کی اک دن اُس نے یہ تجویز
ہے زمین آسمان کا یہی طور ۔ یا زمیں آسماں ہے کوئی اور
چوکیدار ایک شب گئے تھے سو ۔ جوڑے بھونرے سے نکلا باہر وہ
ماہ و اختر اور آسماں دیکھا ۔ اور محلوں کے پیچھے اک دریا
اُس میں شکل اپنی دیکھ مہ کی مثال ۔ دھیں گذرا یہ اُسکے دل میں خیال
ایسی صورت کی نازنیں پاؤں ۔ تو میں اب اُس کو بیاہ کر لاؤں
کیا اس آرزو نے اُس کو زار ۔ تھوڑے دن میں وہ ہو گیا بیمار
لگے کرنے علاج اُس کا غرض ۔ پر طبیبوں نے کچھ نہ پایا مرض
فصدیں کھلوائیاں گیا نہ جنوں ۔ سایے کے بھی بہت پڑھے افسوں
کچھ نہ بن آئی لوگوں کی تدبیر ۔ دن بہ دن اُس کا حال تھا تغیر
آخرش اُس کے باپ نے کہا آ ۔ کچھ تو فرزند اپنا دکھ تو بتا

مجھ کو تیری قسم ہیں تا مقدور — فکر اس کی کروں گا آپ ضرور
تب کہا اُس نے میری مشکل کی ماہ — گر ہو پیدا کروں گا اُس سے بیاہ
کہا اُس نے کہ ہے یہ کتنا کام — غم نہ کھا تو کیا میں تیرا کام
لگا کر لے وہ خیر اور خیرات — دیتا زر جوگیوں کے تئیں دن رات
ناگہاں وہی جوگی پھر آیا — کہا کہنا نہ میرا لائے بجا
اب بلاؤ اُسے یہ ہے تدبیر — دو کروں اس کے جسم کو میں چیر
گر وہ راضی ہو تو میں از یک ماہ — جوڑا اُس کا بنے گا خاطر خواہ
اُس سے شادی کرے وے ہی خطا — کہ کرے گی نہ وہ بھی اس سے وفا
روٹے ماں باپ پر ہوا وہ شاد — کہا چل چیر ہر چہ بادا باد
قصہ کوتاہ وچیر کر کیا دو — دونوں مہ پارے لے کے بیٹھا وہ
خوب دیکھا جو سب نے کر کے نظر — اسی کو کہتے ہوں گے فتح قمر
مارے ماش ان پہ پڑھ کے تا یک ماہ — جی اُٹھے دونوں آخرش ناگاہ
ایک زن اُن میں اور ایک تھا مرد — دونوں دختر میں حسن کے اک فرد
دھوم سے دونوں کی ہوئی شادی — ہوئی اُس شہ کے گھر میں آبادی
مہر آپس میں اور محبت تھی — دو تھے قالب پر ایک اُن کا جی
ترد اور نگ عیش کرتے تھے — زور ہی اُن کے دن گزرتے تھے
کیونکہ ایک ہی تھا جسم ایک ہی جان — تھا دوئی کا نہ اُن کے بیچ گمان
ایک دن شاہزادہ دیکھے ہے کیا — شاہزادی کی ہے گی خالی جا
آنکھ کُل کُل کے خواب سے چونکا — ڈھونڈھا تو گھر میں کچھ نشاں نہ ملا
کہا دل سے کہ دیکھے ہے تو خواب — اُس کے جا کے کا یاں سو کون حساب
سو وہ اے دل اب آتی ہو گی وہ — گئی ہو گی قضائے حاجت کو

سو رہا یہ، وہ آ کے لیٹ رہی | بات کچھ شاہزادے سے نہ کہی
اگلی شب اُس نے چیرا اپنی پلک | بھرا تھوڑا سا اُس کے بیچ نمک
کہا سو جاؤں چرخ میں سر شام | دیکھوں اس ماجرے کو آج تمام
بکہ کر سو رہا تھا وہ تو ادھر | اُٹھی کرنے سنگار کو وہ اُدھر
گھوڑے پہ زین کر سوار ہوئی | اور جوگی کی اک مڑھی میں گئی
وہاں جاتے ہی لب ہوئی مشغول | یہ لگا کہنے دیکھ کر معقول
بات کے جوگی سے پلٹا اور کیا زور | بولی اور نگ دوڑ دو آیا چور
لوگوں نے دوڑ کے جوگی کو مارا | نہ چلا اُس کا اُس جگہ چارا
صبح اور جوگی کو بھی پھانسی دی | میاں طوطی یہ تم نے بات سُنی
جوڑا پیدا کیا تھا جسم کو چیر | اُس کی تو ہے یہاں یہ کچھ تقریر
تجھ پہ بے فائدہ یہ آفت ہے | مرنا رنڈی پہ اک حماقت ہے
طوطی بولا غلط، وہ ایسی نہیں | جاں بخشی ہے اُس نے میرے تئیں
مجھ کو مارا تو لاش کو میری | رکھا کتنے دن اُس نے زخم کو تری
احتیاط اُس نے بے نہایت کی | رو دی، بیٹھی بڑی مصیبت کی
طوطا بن، میں کہانی کہتا تھا | اشک آنکھوں سے اُس کے بہتا تھا
کہا جوگی نے سچ تو عاشق ہے | اور محبت میں وہ بھی صادق ہے
میں ترا امتحان کرتا تھا | ہے نکو یار اس میں نپٹ ہی وفا
دونوں ہرنوں نے بدلی پھر صورت | رام چند اک بنا اور اک آرت
بولے ہم دونوں ساتھ آئے ہیں | سن خبر تیری روتے دھائے ہیں
اُس کو طوطے سے کچھ ہوا معلوم | میں نے پائی خبر زروئے نجوم
میں نے جانا کہ شہ مرے گا تو کیا | کا کو رو دیس میں بسے گا جا

کانپور دیس ہے گا دریا پار　　دونوں ہم واں گئے اور آئے پار
واں کے احوال نے ہمیں مارا　　بیٹھی ہے قید میں شکر پارا
ہم انگوٹھی کے زور سے آئے　　واں سے رستم نہ جی بچا لائے
رام چندر کے شاہ پاؤں پڑا　　لیا آمرت کے تئیں گلے سے لگا
کہا تم دونوں کا ہوا احسان　　دیکھوں میں کیونکے صورت جاناں
وہ کہو کیوں کے رہتی ہووے گی　　قید کا جور سہتی ہووے گی
کہا ہرمز کی لال ہے جو بہن　　بولی ہے وہ تری دلہن کو بہن
کچھ وہ رکھتی ہے اس کو بہلائے　　پر اسے کیا ترے بنا بھائے
پھرتی ہے ہر طرف دوانی سی　　منہ پہ ظاہر ہے ناتوانی سی
کسی کو حال وہ سناتی نہیں　　زانو سے غم سے سر اٹھاتی نہیں
نہیں پہچانی جاتی وہ رنجور　　رات دن کرتی ہے ترا مذکور
شاہزادے نے سن کے کی اک آہ　　کہا کیونکر نظر پڑے وہ ماہ
کس طرح اس طلسم سے چھوٹے　　یاں کے ساحر ہیں جھاڑ اور بوٹے
بولا استاد اتنا غم مت کھا　　ہے مرا جان و دل تجھ پہ فدا
لے مرے ہاتھ کی یہ انگشتر　　سحر کرنے کا نہیں اثر اس پر
اس کے پڑھ حرف اور کر ان پہ عمل　　دور سب ہو گا سحر کا وہ خلل

ساقی نامہ در فتح طلسم

ساقیا شہ ملے پائے خاتم جم　　جام مے چاہتے ہیں تجھ سے ہم
ملک طلسم جہاں کی سیر کریں　　قصہ کو عاقبت بخیر کریں
جام پر فتح اس طلسم کی ہے　　جلد لا کر پلا دے ساغر مے

راوی کہتا ہے خط انگوٹھی کے　　بے تکلف کلید فتح کے تھے
کہا اُستاد نے نہ رہ ناکام　　فتح ہے اس طلسم کی ترے نام
گنج تجھکو ملے گا اور سب مال　　لوں گا ہرمز کی میں بہن جو ہے لال
شہ انگوٹھی کو لے ہوا خوشنود　　کہا بر آیا دل کا اب مقصود
دیکھا اُسکو تو اُس میں ہے یہ لکھا　　کود دریا میں جلد دیکھے ہے کیا
کودا شہزادہ کر کے بسم اللہ　　آگ پانی میں لگ اُٹھی ناگاہ
ہو گیا صاف ایک ریگستاں　　گم ہوا آب موج کا تھا نشاں
سامنے سے اک اژدہا آیا　　اُس نے انگشتری کو دکھلایا
اُس میں نکلا کہ اس کے منھ میں کود　　مار خنجر ترا ملا مقصود
کود کر منھ میں تب وہ نیک اختر　　لگا ناخن کا مارنے خنجر
اژدہا بس وہیں ہلاک ہوا　　لوٹا اور جل کے وہیں خاک ہوا
پہونچا شہزادے کو نہ کچھ آسیب　　گل عشرت سے بھر لی اپنی جیب
شیر پھر اُس کے رُو برو آیا　　اور ہیبت دکھا کے غرایا
پوچھا اُس نے انگوٹھی سے تدبیر　　کہا مار اس کے منھ میں جلد اک تیر
لگا یہ تیر ڈھونڈنے کو وہاں　　لایا اُستاد جوگی تیر و کماں
تیر کھینچ اس کے منھ پہ مارا تاک　　کہ گرا جل کے وہ بھی اور ہوا خاک

پھر باران و برق لائے ہجوم　　چار سو تھی عناصروں کی دھوم
اُس نے انگوٹھی دیکھ اسم پڑھا　　ہوا اُن کا بھی برطرف خوغا
پھر تو در قصر کا نمود ہوا　　لال و ہرمز کا منھ کبود ہوا
زلزلہ اُس کے بسم پر آیا　　کہا اب تو حریف ادھر آیا
کہنہ صندوق میں تھی اک تمثال　　اُس کو لے آئی جلد جا کر لال

دیکھا اُس نے کہ ایک ہے مورت — جوگی رکھتا ہے یہ جواب صورت
اُس کو اُستاد نے خبر دی تھی — سو وہ موجود شکل آ کے ہوئی
بھائی سے بول وقت ہے آخر — ہوا آ کر حریف اب حاضر
سب طلسم اور سحر جاوے گا — ملک جوگی کے ہاتھ آوے گا
دیکھا جھک کر تو آیا ایک جوان — جوگیوں کا بنا کے سب سامان
گرچہ جوگی سی اُسکی صورت ہے — پر بڑی شان اور سلابت ہے
جوں ہی بس شکل وہ نظر آئی — کانپا تہرمز بھی ، لال چلائی
پوچھنے کو لگی سکر پارا — کیوں تمھیں ڈر نے جوگی کے مارا
یہ تو ہے بس فقیر ہے مظلوم — دیکھ کر اس کو کیوں مچائی دھوم
اُس نے دیکھا کہ چھب ہو رعنا سی — میری صورت ہے کچھ تنا سا سی
وہیں شہزادہ اُس کو یاد آیا — دیدہ خونناب دل سے بھر لایا
لال نے رونے کا سبب پوچھا — ٹال دی بات کچھ نہ اُس نے کہا
بولی وہ جانتی ہوں میں تحقیق — یاد آیا ہے تجھ کو تیرا رفیق
وہ لگی کہنے یاں میں بہنا لال — چین پایا تھا سو مچا ہو نچال
میری قسمت ہی میں مصیبت ہے — جس طرف جاؤں ایک آفت ہے
بولی وہ آپھی تو تو مرتی ہے — خلق عالم کی عیش کرتی ہے
اپنے جی کا بھلا کوئی جیوڑا — کیوں جلاوے حصول اس سے کیا
دم غنیمت ہے میری بہنا جان — جان کھوتے ہیں چاہ میں نادان
جس کے خاطر تو کھووے ہے جی کو — اب خدا جانے کس کے پاس ہو وہ
گرچہ تجھی تھی شاد کا آنا — جان بوجھ اِس کو یہ تھا بہکانا
کیا مردوں کا اعتبار نہیں — دل میں جاتے ہیں یہ کہیں کے کہیں

گئے یہ جس جگہ وہیں کے ہوئے　　بے مروت نہیں کہیں کے ہوئے
تجھکو اک روز میں جتا دوں گی　　جیتی ہوں تو کبھی دکھا دوں گی
جوگی کو دیکھ یاد آئے ہے پریت　　یہ سنا نہیں کہ جوگی کس کے میت
نقل اک رانی کی کر دل میں ہوا　　اپنے راجہ پہ تھی وہ جی سے فدا
راجہ باور نہ کرتا تھا یہ بات　　امتحاں کرنے کے تئیں اک رات
گیا کچھ کام کا بہانہ کر　　گھر سے جاتے ہی گیا بس مر
لیک پنہاں کہا رفیقوں سے　　جلد صندوق میں چھپاؤ مجھے
ارتھی خالی کو تم جلا کر آؤ　　رانی کو جلنے کی خبر پہونچاؤ
ہائے رانی نے یہ خبر جو سنی　　بس ہوئی اس کی پگڑی لے کے ستی
وہ تو جل بل کے ہوگئی بس خاک　　اس کی رکھتا تھا یہ بہن پرتاک
اس کو لا گھر میں عیش کرنے لگا　　مردوں کی اے بہن یہ کچھ ہے وفا
چاہتا وہ تو کب اتر آتا　　آگ میں ہی وہ ایک بار آتا
یہ تو میں نے کہا ہے افسانہ　　دیکھ کیوں کر جلے ہے پروانہ
چاہنے والے یوں ہیں بہتیرے　　شعر یہ حسب حال ہیں تیرے
جو کوئی آپ سے وفا نہ کرے　　دوستی اس سے پھر بھلا نہ کرے
چاہنے والے سے وفا کیجے　　بلکہ جی جان کو فدا کیجے
آج ہرمز ہے یہ جواں محبوب　　تیری منت کرے ہے کس اسلوب
تو بھی اب اس کے دل کو ہاتھ میں لے　　عیش کر داد زندگی کی دے
نقد کو نسیہ پہ نہ چھوڑ بہن　　کہتی ہوں اس کا دل نہ توڑ بہن
کل کو کیا جانے پھر ہوا کیا ہو　　مفت میں آج کا تو عیش نہ کھو
جام مے آپ پی اور اس کو پلا　　آپ چھک اور ہم سبھوں کو چھکا

پھر کہاں ہم کہاں شراب اور جام — ہے غنیمت جو ٹک ملے آرام
دور گردوں کو کچھ قرار نہیں — اس زمانے کا اعتبار نہیں
تو کہاں اور کہاں وہ تیرے لوگ — یاں بھی ہے کوئی روز کا سنجوگ
بول وہ وعدے میں ہے کچھ باقی — پھر تو بزم ہے ہم ہیں اور ساقی
میں بھی پھر دل سے غم بھلاؤں گی — خوش ہو بیٹھوں گی غم نہ کھاؤنگی
دیکھوں دو چار دن میں کیا ہووے — کون اس دل کے داغ کو دھووے
لال اور اُس میں تھا جواب سوال — شاہزادے کا اب سنو احوال
قصر کے در پہ جوں ہی وہ آیا — بند اُس در کی راہ کو پایا
کھولنے کو یہ در کے کرتا زور — تو وہاں سے قیامت اُٹھتا شور
جب چلی اُس کی واں نہ کچھ تدبیر — دیکھا خاتم میں خط جو تھا تحریر
اُس میں لکھا تھا یاں نہو تو خراب — دست چپ اس کے ہے بڑا تالاب
اُس میں ہے تاز دیکھ انگشتر — اُڑ کے آوے گی وہ ابھی باہر
اُس کی گردن پہ جلد ہو جو سوار — تجھ کو لے کر اُڑے گی وہ اک بار
قصر کے بیچ جا کے پہونچے گا — آگے پھر کیجو اُس میں ہو جو لکھا
شاہزادہ اُسی طرف کو شتاب — دوڑا اور جا کے پہونچا بر لب آب
دیکھ انگوٹھی تاز آئی وار — ہوا اُس لال تاز پہ وہ سوار
قصر میں اُس نے اُس کو پہونچایا — باغ اور سب طلسم دکھلایا
دیکھیں تصویریں سب جوا ہر کی — اور جو، جو کہ اُس میں صنعت تھی
لال نے جلوہ آ دکھایا اُسے — جوں شکر پارا آ لبھایا اُسے
بیٹھا گردن پہ اُس کے ہاتھ وہ ڈال — پوچھنے کہنے کو لگی احوال
کہا شہ نے مفارقت کا الم — جھوٹ موٹ اس نے بھی کہا کچھ غم

ہاتھ میں جام ارغوانی دیا ‌ ‌ ‌ خوب افسوں سے اس کو مست کیا
ناچ اور راگ و رنگ میں مشغول ‌ ‌ ‌ فتح کرنا طلسم کا گئے بھول
باغوں کی سیر کرنا لال کے ساتھ ‌ ‌ ‌ پیار کی باتیں کرتے ہاتھ میں ہاتھ
نظر اک آیا شیشہ کا حمام ‌ ‌ ‌ جس میں جمشید کا طلسم تمام
لال بولی کہ کیا ہی فرصت ہو ‌ ‌ ‌ تم جو اب چل کے اس میں غسل کرو
اس سے انکار اب کرے کیوں کر ‌ ‌ ‌ سن کے کہنے لگا بہت بہتر
رکھا حمام میں جو اس نے قدم ‌ ‌ ‌ کانپا اک بار اور رہا پھر تھم
ہوا حیران کچھ نہ کی تقریر ‌ ‌ ‌ آئی پر گفتگو میں واں تصویر
لنگیاں لائی اتاس منگوائی ‌ ‌ ‌ کھیس اور جھادیں لے لے کر آئی
ہوا عریاں بدن سے دو جل ماہ ‌ ‌ ‌ پانی ڈالا تو پھر نہ ٹھہری نگاہ
حوض میں جبکہ کودے غوطے مار ‌ ‌ ‌ دیکھتا کیا ہے طوطی واں اک بار
ہے مکاں اک بلند عالی شان ‌ ‌ ‌ آسمان و زمین کے درمیان
اس پہ ہے فرش مسند شاہی ‌ ‌ ‌ جس سے ظاہر ہے شان جم جاہی
اور معلق ہوا میں ہے اک تخت ‌ ‌ ‌ بیٹھا اک شاہ اس پہ صاحب بخت
ہیں پری زاد گرد اس کے تمام ‌ ‌ ‌ جن کی صورت کے مہر و ماہ غلام
ابر ہے گرد اس کے رنگا رنگ ‌ ‌ ‌ برق ہے اور ہوا ہے شوخ اور شنگ
لیک سب اس کے تابع فرماں ‌ ‌ ‌ بھیجے جس جا پہ وہ یہ جائیں وہاں
آپ ہے راگ و رنگ میں مشغول ‌ ‌ ‌ دونوں عالم کا غم گیا ہے بھول
طوطی نے لال سے یہ دیکھ کہا ‌ ‌ ‌ کس کا ہے یہ مکان ہے کیا جا
لال بولی کہ کر ادب سے سلام ‌ ‌ ‌ سن رکھ اس کا ہے راجہ اندر نام
یہ جو پریاں ہیں سو ہے ان کی سبھا ‌ ‌ ‌ ان کے فرماں میں سب ہے ابر و ہوا

جھک کے طوطی نے اک سلام کیا ۔ اُس نے بٹھلایا اپنے پاس بُلا
کہا پریوں سے ہووے ناچ اور راگ ۔ اُٹھے وہ ہیں فلک بھی خواب سے جاگ
ہوئی جب راگ کی بلند صدا ۔ چشم سے آسماں کے اشک بہا
رعد سے نکلا وہ ہیں نالۂ آہ ۔ چمکی پھر سے آہ برق ہو ناگاہ
ابر ہر سو ہوا گہر افشاں ۔ کیا باراں نے دہر میں طغیاں
رقص میں آئی پھر ہر ایک پری ۔ سب دکھاتی تھیں اپنی عشوہ گری
ابر سا رنگ رنگ اُغول کا لباس ۔ برق در دامن اور بدن الماس
ناز، عشوہ، کرشمہ اور ادا ۔ سارے عالم کا یاں تمام ہوا
کوئی اُٹھا کر رکھے تھی ماتھے پہ ہاتھ ۔ مہر کی بنت روئے ماہ کے ساتھ
کوئی نتھنے کی جو دکھاتی پھڑک ۔ دم بدم حلقہ نتھ کا جاتا سرک
کوئی کسی کی بلائیں لیتی جھٹ ۔ پڑتیں اُس کی انگلیاں چٹ چٹ
کوئی گھٹنے بیٹھے کی : دکھے جوبن ۔ کس کسا کوئی بیٹھی تھی بن ٹھن
اک دکھاتی ازار کا نیفہ ۔ پنڈلی دکھلاتی پائینچے سرکا
ایک پیرد کی اپنے شفافی ۔ پیٹ کی اک دکھاتی تھی صافی
کوئی کسی کے کرے تھی کان میں بات ۔ مہ کے گوشے میں جوں ستارا رات
دیکھے چلنے میں پھر کے کوئی محبوب ۔ جیسے سورج کی شکل وقت غروب
کوئی چٹکی بجا کہے اورے ۔ دیکھ فندق کی اُنگلی کے پورے
کوئی کہے وا چھڑے اجی کیا خوب ۔ زور لگ چلنے کا ہے یہ اسلوب
کوئی انگشت لب پہ رکھ کہے چپ ۔ کسی کی کوئی اوٹ میں رہے چھپ
کسی پردے کوئی کسی کر ڈھکیل ۔ لے گرے اُس کو ساتھ وہ اٹھکیل
کسی نے اک دو ہتڑ آ ماری ۔ کہا اُس کو کہ جام ادھر لا ری

کوئی چٹخارہ مے کا لیتی چٹاخ / گالی کیفی ہو کوئی دیتی چٹاخ
شیشہ کو چھین لیتی ہاتھ مروڑ / کوستی انگلیوں کو کوئی توڑ
کہتی کوئی خدا کی چھوڑ دے مجھکو / کہتی کوئی او چھنال دور بھی ہو
کہتی کوئی تجھ دن نکھواب مفت / بیٹھ جا رل کے کھیلیں طاق اور جفت
کوئی چوسر ہی کو بچھا بیٹھی / کوئی لب جوئی دور جا بیٹھی
کوئی گل توڑے تا دماغی سے / کوئی لب جو پہ کھیلے پانی سے
آرسی ہاتھ میں کسی کے ہے / چھب بناتی ہے اپنی پے در پے
کبھی انگیا کو کھینچ کرتی ہے ٹھیک / لعل اُگلے ہے گاہ ڈال کے پیک
مستی کی کوئی دھڑی جاتی ہے / منھ کو کوئی پونچھ کر دکھاتی ہے
کوئی اُٹھتی ہے دامن اپنا سمیٹ / کوئی دوپٹہ کو اوڑھ رہتی ہے لپیٹ
اچپلاہٹ کسی میں ایسی بلا / کہ کرے اک ادا میں لاکھ ادا
کوئی چٹکی کسی کو دے ہر بار / کوئی کہے ری، کہے پکار پکار
چٹکیوں سے بدن ہوئے نیلے / بندوں کو کھینچ کر اکریں ڈھیلے
کوئی کہے چل کرمری کسکی / تو نے کھینچا تو چولی سب مسکی
کوئی گردن کا لیتی جب ڈورا / کان کی بالی کو دکھاتی بلا
کوئی کہتی کسی کو علاما / کوئی کہتی کہ چپ ہی رہ ماما
کوئی تکیہ پہ مارتی تھی ہاتھ / ایڑیاں دے دے مارے اسکے ساتھ
ایک بیٹھی ہوئی بتاتی بھاؤ / اک کہے نائکہ کو تم کچھ گاؤ
ایک ناچے کہ جان ہو بے کل / ایک گا دے کہ روح جاوے نکل
ناز و عشوہ کا گرم تھا بازار / آنکھ ملتے نشہ میں سب سرشار
دور بیٹھی تھی انمیں اک بلشت / تھی بہت ہی کریہہ صورت زشت

دو وہ بھاگے تھی اُس سے اگلی بھاؤ   کالا منہ اُس کا نیلے ہاتھ اور پاؤ
ناچتے ناچتے سبھی اک بار   اُبکے دیتے تھے آن کر پھٹکار
ایک درویش سے وہ ہر باری   جوڑ کر ہاتھ کرتی تھی زاری
وہ اُسے دیکھ منہ پہ کرتے تھو   درد کے مارے پھر یہ کرتی اُن
طوطی یہ شکل دیکھ ہو حیراں   لال سے بولا کر کچھ اس کا بیاں
اور محبوب سب گھڑ سی ہیں   اس پہ کیوں جوتیاں برستی ہیں
لال بولی کہ کیوں ہو ششدر رے   پوچھو یہ بات راجہ اندر سے
ہاتھ باندھ اُسنے راجہ سے کی عرضا   کہ مجھے پوچھنا ہے اس کا فرض
مجھ کو اس بھید سے کرو آگاہ   میں ہوں بے کس مسافر اور تم شاہ
ہنس کے بولے وہ اس پہ ہے جو جفا   سو یہ پانے ہے اس سے اپنی سزا
اس نے عاشق کے تئیں ستایا ہو   سو یہ بدلا اب اُس کا پایا ہے
بیٹھا ہے جو فقیر ہو درویش   عاشق اس شخص پہ تھا اک دل ریش
نہیں حق کے غضب کو لگتی دیر   اب یہ لیتے ہیں اُس سے منہ کو پھیر
یہ بھی منہ اُس سے پھیر لیتی تھی   منتقم ہے خدا سزا یہ دی
طوطی نے عجز سے کی یہ تکرار   ان کا کچھ ماجرا کرو اظہار
کون یہ زن اور وہ کون مرد فقیر   ایسی کیا اس سے ہو گئی تقصیر
عاشقوں کو جفا ہے لگتی خوب   کرتے آئے ہیں ظلم سب محبوب
بے مروت ہی نام ہے ان کا   قتل کرنا ہی کام ہے ان کا
راجہ اندر نے مسکرا کے کہا   میاں طوطی سنو یہ ہے قصا
مقصد اب جو یہ ہے فقیر حقیر   شکل تھی اُس کی عالم تصویر
خوبرو اور فضائل اس کے خوب   عالم اور فاضل اور جہاں مرغوب

تھا چلتر سے زن کے یہ آگاہ　　اس سے زن پہ کبھی نہ کرتا نگاہ
ناگہاں غیرتِ الٰہی سے　　بے خبر اپنی تھا تباہی سے
گیا اِس بیسوا کے گھر اک روز　　لگی دکھلانے اپنا چاؤ اور چوز
بھولی سی شکل اور گاتی خوب　　نہ سمجھتی تھی طالب اور مطلوب
لذتِ مرد سے نہ تھی آگاہ　　اس بھلاوے پہ بھولی تھی ناگاہ
راگ اُس کا سُنا کچھ اُس کو دیا　　پھر اُٹھی واں سے یاد اُسے نہ کیا
یہ سُنا ہے کہ تم نے یا نہیں رہے　　مچھلی کو کون تیرنا سکھلائے
بچۂ بط اگر شبینہ بود　　آب دریاش تا بہ سینہ بود
دل میں اُس نے چلتر اک ٹھہرا　　لیا منت سے اُن کو گھر میں بُلا
بیٹھی جھولے پہ راگ کو گانے　　پینگ لے لے کے غمزے دکھلانے
راگ اُس کا یہ کچھ سماں لایا　　چشم گردوں میں اشک بھر آیا
سُن ہنڈولے کو ابر رونے لگا　　راگ سُن کر جواں وہاں سے اُٹھا
اُس کے اُٹھتے وہ گر پڑی ناگاہ　　دل سے بے اختیار کھینچی آہ
لوگ لائے ہجوم سب مل کر　　ماجرا دیکھ یہ ہوئے ششدر
مل کے تدبیر کی ہزار ہزار　　پہ وہ غش سے ذرا نہ ہوئی ہشیار
تب تو ٹھہرا کہ بر ملا ہے یہ　　اُس جواں پہ ہی مبتلا ہے یہ
کوئی اُسے یاں تلک بُلا لاوے　　وہی آوے تو ہوش اِسے آوے
لائے اُس کو غرض بصد زاری　　اُس نے آ دیکھی اُس کی بیماری
جوں ہی چھاتی پہ اُس کے رکھا ہاتھ　　جی اُٹھی بس وہیں وہ اُس کے ساتھ
لوگ اُس بیسوا کے بولے یوں　　تم گئے تو ہے تم پہ اِس کا خوں
اب تمھارے اسے حوالے کیا　　یہ بچی اُس کو اب تمھیں کو دیا

چھوڑ گئے لوگ اُس کو اُسکے پاس
یک بیٹھی تھی یہ نپٹ ہی اُداس

بیسوا بولی میں نہیں ہوں حسیں
اس سے رغبت اب آپ کرتے نہیں

خوب مرجاؤں گی جو غم کھا کر
تو بھلا رُو نا گور پر آ کر

تب تو کچھ رحم کھا اُنھوں نے کہا
حسن تو ہے تمام تجھ میں بھرا

بھاگتا نہیں میں آشنائی سے
مجھ کو ہے خوف بے وفائی سے

تب کہا اُس نے کیا میں بتلاؤں
تم کہو جس کی میں قسم کھاؤں

بولے یہ اس میں کچھ کہیں گے نہ ہم
کھائی تب ترشتی کی اُس نے قسم

اس قسم پر وہ دل کو دے تسکیں
لگے رہنے ہر ایک آن وہیں

تھی زبس دلفریب کسبن غضب
بھولے علم و کمال اپنا سب

دین و ایمان سے یکنارا ہوئے
رفتہ رفتہ یہ بے قرار ہوئے

دل کو اک بیسوا میں کھو بیٹھے
مال و زر کھو دیا گھر کو رو بیٹھے

یہ نہ سمجھے کہ بیسوا کا پیار
کرے غارت یہاں جہاز ہزار

دیکھ کر اُس کی شکل جیتے تھے
وصل میں جام عیش پیتے تھے

وہ تھی دن رات دلربائی میں
لیک پوشیدہ بے وفائی میں

ناگہہ اک روز دیکھتے ہیں کیا
کسی کے سامنے رہی ہے گا

اُن کو اُس کی صدا لگی جوں تیر
اُٹھا جب وہ تو اُس سے کی تقریر

اوروں کو راگ تم سُناتی ہو
مجھ کو دکھلا کے کیوں جلاتی ہو

یا تو پہلے وہ کچھ تھا قول و قسم
لگے دل لے کے دینے اب یہ الم

یہ سخن سُن کے اُس نے منھ پھیرا
کچھ نہ بولی، یہ بولے بہتیرا

دن بہ دن پھر تو ایک رنجش تھی
حق و ناحق کی ایک کاوش تھی

جوں جوں کرتے تھے اس سے یہ زاری
اور کرتی تھی وہ دل آزاری

گرتے جس دم یہ پاؤں کے اوپر   تو وہ سر پر لگاتی اک ٹھوکر
لے غیروں سے داغ اُن کو دے   بیٹھے اغیار کو بغل میں لے
جتنا سمجھایں یہ نہ سمجھے وہ   دیں سے ہائے کبیوں کی خو
تب تو ناچار کر گریباں چاک   گئے جنگل میں وہ اُڑاتے خاک
لگے رونے وہاں بسینہ ریش   ناگہاں آن پہنچا اک درویش
مہ لقب اور جمال نورانی   چمکے جہاں اُن کی پیشانی
سینہ و دل صفا سو سب معمور   ذکر حق لب پہ سر سے پا ہے نور
دم نہ ماریں بجز رضائے خدا   قول و فعل اُن کا سب برائے خدا
اُنھوں نے اُس جوان سے پوچھا   اے جواں کہ تو تیرا حال ہے کیا
اس بیاباں میں کیوں پھرے ہے خراب   کیوں پڑا رہ پھٹے نہ کیا خور و خواب
رائگاں عمر کھو نہ تو یکسر   یاد حق کے سوا نہیں بہتر
عشق ہے تو ہے عشق حق کا بھلا   کہ بجز حق نہیں کسی کو بقا
اب اور رنگ پر نہ مائل ہو   بت پرستی نہ کر، نہ غافل ہو
ہر چہ در کارگاہ امکاں ہست   پردہ دار جمال جاناں ہست
حسن خوباں کو اعتبار نہیں   کسی کو غیر حق قرار نہیں
حضرت نے اُن کے کی نصیحت تاثیر   چھوڑ دنیا کو اب ہوئے وہ فقیر
ایک شب آدھی رات کو اُٹھ کر   لگے کہنے کہ مرشدی ہے کدھر
جس کی کھائی تھی اُس نے مجھ سے قسم   کسی میں برکت اب نہ دیکھی ہم
مرشدی نے کیا یہ مجھ سے بیاں   کہاں میں لاؤں جیسوں کو یہاں
اور بُلا اُس جوان کو بھی کہا   کرو اس جیسوں کا منھ کالا
تب سے لیتے نہیں یہ اُس کا ناؤں   کالا منھ اُس کا اور نیلے پاؤں

کامرو دیس ہے گنگا دریا پار — دونوں ہم واں گئے اور آئے پار
واں کے احوال نے ہمیں مارا — بیٹھی ہے قید میں شکر پارا
ہم انگوٹھی کے زور سے آئے — واں سے رستم نہ جی بچا لائے
رام چندر کے شاہ پاؤں پڑا — لیا آمرت کے تئیں گلے سے لگا
کہا تم دونوں کا ہوا احسان — دیکھوں میں کیونکے صورتِ جاناں
وہ کھوئیوں کے رہتی ہووے گی — قید کا جور سہتی ہووے گی
کہا آمرت کی لال ہے جو بہن — بولی ہے وہ تری دلہن کو بہن
کچھ وہ رکھتی ہے اُس کو بہلائے — پر اُسے کیا ترے بنا بھائے
پھرتی ہے ہر طرف دِوانی سی — منھ پہ ظاہر ہے ناتوانی سی
کسی کو حال وہ سناتی نہیں — زانوئے غم سے سر اُٹھاتی نہیں
نہیں پہچانی جاتی وہ رنجور — رات دن کرتی ہے ترا مذکور
شاہزادے نے سن کے کی اک آہ — کہا کیونکر نظر پڑے وہ ماہ
کس طرح اِس طلسم سے چھوٹے — یاں کے ساحر ہیں جھاڑ اور بوٹے
بولا اُستاد اتنا غم مت کھا — ہے مرا جان و مال تجھ پہ فدا
لے مرے ہاتھ کی یہ انگشتر — سحر کرنے کا نہیں اثر اس پر
اس کے پڑھ حرف اور کر اُن پہ عمل — دُور سب ہوگا سحر کا وہ خلل

ساقی نامہ در فتح طلسم

ساقیا شہ نے پائی خاتم جم — جام مے چاہتے ہیں تجھ سے ہم
ملک طلسم جہاں کی سیر کریں — قصہ کو عاقبت بخیر کریں
جام پر فتح اس طلسم کی ہے — جلد لا کر پلا دے ساغر مے

راوی کہتا ہے خط انگوٹھی کے — بے تکلف کلید فتح کے تھے
کہا اُستاد نے نہ رہ ناکام — فتح ہے اس طلسم کی ترے نام
گنج تجھکو ملے گا اور سب مال — لوں گا ہرمز کی میں بہن جو ہے لال
شہ انگوٹھی کو لے ہوا خوشنود — کہا یہ آیا دل کا اب مقصود
دیکھا اُسکو تو اُس میں ہے یہ لکھا — کود دریا میں جلد دیکھے ہے کیا
کودا شہزادہ کر کے بسم اللہ — آگ پانی میں لگ اُٹھی ناگاہ
ہو گیا صاف ایک ریگستان — گم ہوا آب موج کا تھا نشان
سامنے سے اک اژدہا آیا — اُس نے انگشتری کو دکھلایا
اُس میں نکلا کہ اس کے منھ میں کود — مار خنجر ترا ملا مقصود
کود کر منھ میں تب وہ نیک اختر — لگا ناخن کا مارنے خنجر
اژدہا بس وہیں ہلاک ہوا — لوٹا اور جل کے وہیں خاک ہوا
پہونچا شہزادے کو نہ کچھ آسیب — گل عشرت سے بھر لی اپنی جیب
شیر پھر اُس کے رُو برو آیا — اور ہیبت دکھا کے غرّایا
پوچھا اُس نے انگوٹھی سے تدبیر — کہا مار اس کے منھ میں جلد اک تیر
لگا یہ تیر ڈھونڈنے کو وہاں — لایا اُستاد جوگی تیر و کماں
تیر کھینچ اس کے منھ پہ مارا تاک — کہ گرا جل کے وہ بھی اور ہوا خاک
پھر باران و برق لائے ہجوم — چار سو تھی عناصروں کی دھوم
اُس نے انگوٹھی دیکھ اسم پڑھا — ہوا اُن کا بھی برطرف خوغا
پھر تو در قصر کا نمود ہوا — لال و ہرمز کا منھ کبود ہوا
زلزلہ اُس کے بسم پر آیا — کہا اب تو حریف ادھر آیا
کہنہ صندوق میں تھی اک تمثال — اُس کو لے آئی جلد جا کر لال

دیکھا اُس نے کہ ایک ہے مورت — جوگی رکھتا ہے پہ جو اب صورت
اُس کو اُستاد نے خبر دی تھی — سو وہ سوجود شکل آ کے ہوئی
بھائی سے بولی وقت ہے آخر — ہوا آکر حریف اب حاضر
سب طلسم اور سحر جاوے گا — ملک جوگی کے ہاتھ آوے گا
دیکھا جھک کر تو آیا ایک جوان — جوگیوں کا بنا کے سب سامان
گرچہ جوگی سی اُسکی صورت ہے — پر بڑی شان اور صلابت ہے
جوں ہی بس شکل وہ نظر آئی — کانپا تھرتھر بھی ، لال چلائی
پوچھنے کو لگی ستمگر یارا — کیوں کھڑیں ڈر نے جوگی کے مارا
یہ تو ہے بس فقیر بے مظلوم — دیکھ کر اس کو کیوں مچائی دھوم
اُس نے دیکھا کہ چھب ہو رعنا سی — میری صورت ہے کچھ شناسا سی
وہیں شہزادہ اُس کو یاد آیا — دیدۂ خونناب دل سے بھر لایا
لال نے رونے کا سبب پوچھا — ٹال دی بات کچھ نہ اُس نے کہا
بولی وہ جانتی ہوں میں تحقیق — یاد آیا ہے تجھ کو تیرا رفیق
وہ لگی کہنے یاں میں بہنا لال — چین پایا تھا سو مچا بھونچال
میری قسمت ہی میں مصیبت ہے — جس طرف جاؤں ایک آفت ہے
بولی وہ آپہی تو تو مرتی ہے — خلق عالم کی عیش کرتی ہے
اپنے جی کا بھلا کوئی چھوڑا — کیوں جلاوے حصول اس سے کیا
دم غنیمت ہے میری بہنا جان — جان کھوتے ہیں چاہ میں نادان
جس کے خاطر تو کھووے ہے جی کو — اب خدا جانے کس کے پاس ہو وہ
گرچہ سمجھی تھی شاہ کا آنا — جان بوجھ اِس کو پر تھا بہکانا
کہا مردوں کا اعتبار نہیں — دل میں جاتے ہیں یہ کہیں کے کہیں

گئے یہ جس جگہ وہیں کے ہوئے　　بے مروّت نہیں کہیں کے ہوئے
تجھکو اک روز میں جتا دوں گی　　جیتی ہوں تو کبھی دکھا دوں گی
جوگی کو دیکھ یاد آئے ہے پیت　　یہ سنا نہیں کہ جوگی کس کے میت
نقل اک رانی کی کروں میں بیاں　　اپنے راجہ پہ تھی وہ جی سے فدا
راجہ باور نہ کرتا تھا یہ بات　　امتحاں کرنے کے تئیں اک رات
گیا کچھ کام کا بہانہ کر　　گھر سے جاتے ہی گیا بس مر
لیک پنہاں کہا رفیقوں سے　　جلد صندوق میں چھپاؤ مجھے
ارتھی خالی کو تم جلا کر آؤ　　رانی کو جلنے کی خبر پہونچاؤ
ہائے رانی نے یہ خبر جو سنی　　بس ہوئی اس کی پگڑی لے کے ستی
وہ تو جل بل کے ہوگئی بس خاک　　اس کی رکھتا تھا یہ بہن پر تاک
اس کو لا گھر میں عیش کرنے لگا　　مردوں کی اے بہن یہ کچھ ہے وفا
چاہتا وہ تو کب قرار آتا　　آگ میں ہی وہ ایک بار آتا
یہ تو میں نے کہا ہے افسانہ　　دیکھ کیوں کر جلے ہے پروانہ
چاہنے والے یوں ہیں بہتیرے　　شعر یہ حسب حال ہیں تیرے
جو کوئی آپ سے وفا نہ کرے　　دوستی اس سے پھر خدا نہ کرے
چاہنے والے سے وفا کیجے　　بلکہ جی جان کو فدا کیجے
آج ہر طرز سے یہ جواں محبوب　　تیری منت کرے ہے کس اسلوب
تو بھی اب اس کے دل کو ہاتھ میں لے　　عیش کر داد زندگی کی دے
نقد کو نسیہ پر نہ چھوڑ بہن　　کہتی ہوں اس کا دل نہ توڑ بہن
کل کو کیا جانئے پھر ہوا کیا ہو　　مفت میں آج کا تو عیش نہ کھو
جام مے آپ پی اور اس کو پلا　　آپ چھک اور ہم سبھوں کو چھکا

پھر کہاں ہم کہاں شراب اور جام
ہے غنیمت جو ٹک ملے آرام

دور گردوں کو کچھ قرار نہیں
اس زمانے کا اعتبار نہیں

تو کہاں اور کہاں وہ تیرے لوگ
یاں بھی ہے کوئی روز کا سنجوگ

بول وہ وعدے میں ہے کچھ باقی
پھر تو ہر روز ہے ہم ہیں اور ساقی

میں بھی پھر دل سے غم بھلاؤں گی
خوش ہو بیٹھوں گی غم نہ کھاؤں گی

دیکھوں دو چار دن میں کیا ہووے
کون اس دل کے داغ کو دھووے

لال اور اُس میں تھا جواب سوال
شاہزادے کا اب سنو احوال

قصر کے در پہ جوں ہی وہ آیا
بند اُس در کی راہ کو پایا

کھولنے کو یہ در کے کرتا زور
تو وہاں سے قیامت اُٹھا شور

جب چلی اُس کی واں نہ کچھ تدبیر
دیکھا خاتم میں خط جو تھا تحریر

اُس میں لکھا تھا یاں نہ تو خراب
دست چپ اس کے ہے بڑا تالاب

اُس میں ہے تاز دیکھ انگشتر
اُڑ کے آوے گی وہ ابھی باہر

اُس کی گردن پہ جلد ہو جو سوار
تجھ کو لے کر اُڑے گی وہ اک بار

قصر کے بیچ جا کے پہونچے گا
آگے پھر کیجو اُس میں ہو جو لکھا

شاہزادہ اُسی طرف کو شتاب
دوڑا اور جا کے پہونچا بر لب آب

دیکھ انگوٹھی تاز آئی وار
ہوا اُس لال تاز پہ وہ سوار

قصر میں اُس نے اُس کو پہونچایا
باغ اور سب طلسم دکھلایا

دیکھیں تصویریں سب جدا ہر کی
اور جدا جو کہ اُس میں صنعت تھی

لال نے جلوہ آ دکھایا اُسے
جوں شکر پارا آ لبھایا اُسے

بیٹھا گردن پہ اُس کے ہاتھ وہ ڈال
پوچھنے کہنے کو لگی احوال

کہا شہ نے مفارقت کا الم
جھوٹ موٹ اس نے بھی کہا کچھ غم

ہاتھ میں جام ارغوانی دیا
خوب افسوں سے اس کو مست کیا

ناچ اور راگ و رنگ میں مشغول
فتح کرنا طلسم کا گئے بھول

باغوں کی سیر کرنا لال کے ساتھ
پیار کی باتیں کرتے ہاتھ میں ہاتھ

نظر اک آیا شیشہ کا حمام
جس میں جمشید کا طلسم تمام

لال بولی کہ کیا ہی فرصت ہو
تم جو اب چل کے اس میں غسل کرو

اس سے انکار اب کرے کیوں کر
سن کے کہنے لگا بہت بہتر

رکھا حمام میں جو اس نے قدم
کانپا اک بار اور رہا پھر تھم

ہوا حیران کچھ نہ کی تقریر
آئی پہ گفتگو میں واں تصویر

لنگیاں لائی اتاس منگوائی
کھیس اور جھاڑیں لے لے کر آئی

ہوا عریاں بدن سے وہ جوں ماہ
پانی ڈالا تو پھر نہ ٹھہری نگاہ

حوض میں جبکہ کود کے غوطے مار
دیکھتا کیا ہے طوطی واں اک بار

ہے مکاں اک بلند عالی شان
آسمان و زمین کے درمیان

اس پہ ہے فرش مسند شاہی
جس سے ظاہر ہے شان جم جاہی

اور معلق ہوا میں ہے اک تخت
بیٹھا اک شاہ اس پہ صاحب بخت

ہیں پری زاد گرد اس کے تمام
جن کی صورت کے مہر و ماہ غلام

ابر ہے گرد اس کے رنگا رنگ
برق ہے اور ہوا ہے شوخ اور شنگ

لیک سب اس کے تابع فرماں
بھیجے جس جا پہ وہ یہ جائیں وہاں

آپ ہے راگ رنگ میں مشغول
دونوں عالم کا غم گیا ہے بھول

طوطی نے لال سے یہ دیکھ کہا
کس کا ہے یہ مکان ہے کیا جا

لال بولی کہ کر ادب سے سلام
سن رکھ ان کا ہے راجہ اندر نام

یہ جو پریاں ہیں سو ہیں ان کی سبھا
ان کے فرماں میں سب ہے ابر و ہوا

جھک کے طوطی نے اک سلام کیا — اس نے ہنسلایا اپنے پاس بلا
کہا پریوں سے ہووے ناچ اور راگ — اٹھے وہ وہیں فلک بھی خواب سے جاگ
ہوئی جب راگ کی بلند صدا — چشم سے آسماں کے اشک بہا
رعد سے نکلا وہیں نالۂ آہ — چمکی پھر آہ برق ہو ناگاہ
ابر ہر سو ہوا گرہ افشاں — کیا باراں نے دہر میں طغیاں
رقص میں آئی پھر ہر ایک پری — سب دکھاتی تھیں اپنی عشوہ گری
ابر سا رنگ رنگ اغول کا لباس — برق وہ دامن اور بدن الماس
ناز، عشوہ، کرشمہ اور ادا — سارے عالم کا یاں تمام ہوا
کوئی اٹھا کر رکھے تھی ماتھے پہ ہاتھ — مہر کی نسبت روئے ماہ کے ساتھ
کوئی نتھنے کی جو دکھاتی پھڑک — دم بدم حلقہ نتھ کا جاتا سرک
کوئی کسی کی بلائیں لیتی جھٹ — لیتیں اس کی انگلیاں چٹ چٹ
کوئی کھنٹے بیٹھے کی دیکھے پھبن — کس کسا کوئی بیٹھی تھی بن ٹھن
اک دکھاتی ازار کا نیفہ — پنڈلی دکھلاتی پائنچہ سرکا
یک پیڑو کی اپنے شفافی — پیٹ کی اک دکھاتی تھی صافی
کوئی کسی کے کرے تھی کان میں بات — مہ کے گوشے میں جوں ستارا رات
دیکھے چلنے میں پھر کے کوئی محبوب — جیسے سورج کی شکل وقت غروب
کوئی چٹکی بجا کہے اور رے — دیکھ فندق کی انگلی کے پورے
کوئی کہے واچھڑے اجی کیا خوب — زور لگ چلنے کا ہے یہ اسلوب
کوئی انگشت لب پہ رکھ کہے چپ — کسی کی کوئی اوٹ میں رہے چھپ
کسی پہ دے کوئی کسی کو ڈھکیل — لے گرے اس کو ساتھ وہ اٹکھیل
کسی نے اک دو ہتڑ آ ماری — کہا اس کو کہ جام ادھر لا ری

کوئی چٹخارہ مے کا لیتی چٹاخ　گالی کیفی ہو کوئی دیتی چٹاخ
شیشہ کو چھین لیتی ہاتھ مروڑ　کوستی انگلیوں کو کوئی توڑ
کہتی کوئی ضدی چھوڑ دے مجھکو　کہتی کوئی او چھنال دور بھی ہو
کہتی کوئی تجھ دن نکھرا ہے مفت　بیٹھ جا الّو کے کھیلیں طاق اور جفت
کوئی جو سر ہی کو کھپا بیٹھی　کوئی لب جوش دور جا بیٹھی
کوئی گل توڑے تا دمالی سے　کوئی لب جو پہ کھیلے پالی سے
آرسی ہاتھ میں کسی کے ہے　چھب بناتی ہے اپنی پے در پے
کبھی انگیا کو کھینچ کرتی ہے ٹھیک　لعل اُگلے ہے گاہ ڈال کے پیک
مستی کی کوئی دھڑی جماتی ہے　منہ کو کوئی بنا کر دکھاتی ہے
کوئی الٹتی ہے دامن اپنا سمیٹ　کوئی دوپٹہ کو اوڑھ رہتی ہے لپیٹ
اچپلاہٹ کسی میں ایسی بلا　کہ کرے اک ادا میں لاکھ ادا
کوئی مٹھیا کسی کو دے ہر بار　کوئی کہے ری کہے پکار پکار
چٹکیوں سے بدن ہوئے نیلے　بندوں کو کھینچ کر کریں ڈھیلے
کوئی کہے چل کمر مری ٹسکی　تو نے کھینچا تو چولی سب مسکی
کوئی گردن کا لیتی جب ڈورا　کان کی بالی کو دکھاتی بلا
کوئی کہتی کسی کو عہلا ما　کوئی کہتی کہ چپ ہی رہ ماما
کوئی تکیہ پہ مارتی تھی ہاتھ　ایڑیاں دے دے مارے اک کے ساتھ
ایک بیٹھی ہوئی بتاتی بھاؤ　اک کہے نائکہ کو تم کچھ گاؤ
ایک ناچے کہ جان ہو بے کل　ایک گا دے کہ روح جاوے نکل
ناز و عشوہ کا گرم تھا بازار　آنکھ ملتے نشہ میں سب سرشار
دور بیٹھی تھی انہیں اک بلشت　تھی بہت ہی کریہ صورت زشت

دور بھاگے تھی اس سے اگی پھانؤ　　کالا منھ اس کا نیلے ہاتھ اور پانؤ
ناچتے ناچتے سبھی اک بار　　اٹھ کے دیتے تھے آن کر پھٹکار
ایک درویش سے وہ ہر باری　　جوڑ کر ہاتھ کرتی تھی زاری
وہ اسے دیکھ منھ پہ کرتے تف　　درد کے مارے پھر یہ کرتی اف
طوطی یہ شکل دیکھ ہو حیراں　　لاآل سے بولا کہہ اس کا بیاں
اور محبوب سب گھڑے سی ہیں　　اس پہ کیوں جوتیاں برستی ہیں
لاآل بولی کہ کیوں ہو ششدر رے　　پوچھو یہ بات راجہ اندر سے
ہاتھ باندھ اس نے راجہ سے کی عرض　　کہ تجھے پوچھنا ہے اس کا فرض
مجھ کو اس بھید سے کرو آگاہ　　میں ہوں بے کس مسافر اور تم شاہ
ہنس کے بولے وہ اس پہ ہے جو جفا　　سو یہ پاتی ہے اس سے اپنی سزا
اس نے عاشق کے تئیں ستایا ہے　　سو یہ بدلا اب اس کا پایا ہے
بیٹھا ہے جو فقیر ہو درویش　　عاشق اس شخص پہ تھا اک دل ریش
نہیں حق کے غضب کو لگتی دیر　　اب یہ لیتے ہیں اس سے منھ کو پھیر
یہ بھی منھ اس سے پھیر لیتی تھی　　منتقم ہے خدا سزا یہ دی
طوطی نے عجز سے کی یہ تکرار　　ان کا کچھ ماجرا کرو اظہار
کون یہ زن اور وہ کون مرد فقیر　　ایسی کیا اس سے ہو گئی تقصیر
عاشقوں کو جفا ہے لگتی خوب　　کرتے آئے ہیں ظلم سب محبوب
بے مروت ہی نام ہے ان کا　　قتل کرنا ہی کام ہے ان کا
راجہ اندر نے مسکرا کے کہا　　یاں طوطی سنو یہ ہے قصا
مقصد اب جو یہ ہے فقیر حقیر　　شکل تھی اس کی عالم تصویر
خوبرو اور فضائل اس کے خوب　　عالم اور فاضل اور جواں مرغوب

تھا چلتر سے زن کے یہ آگاہ — اس سے زن پہ کبھی نہ کرتا نگاہ
ناگہاں غیرت الٰہی سے — بے خبر اپنی تھا تباہی سے
گیا اس بیسوا کے گھر اک روز — لگی دکھلانے اپنا جاؤ اور چوز
بھولی سی شکل اور گاتی خوب — نہ سمجھتی تھی طالب اور مطلوب
لذت مرد سے نہ تھی آگاہ — اس بھلاوے پہ بھولی تھی ناگاہ
راگ اس کا سنا کچھ اس کو دیا — پھر اٹھی واں سے یاد اُت نہ کیا
یہ سنا ہے کہ تم نے یا نہیں ہے — مچھلی کو کون تیرنا سکھلائے
بچۂ بط اگر چہ بیضہ بود — آب دریاش تا بہ سینہ بود
دل میں اس نے چلتر اک ٹھہرا — لیا منت سے اُن کو گھر میں بلا
میٹھی جھوٹے پہ راگ کو گانے — پلنگ لے لے کے نخرے دکھلانے
راگ اس کا یہ کچھ سماں لایا — چشم گردوں میں اشک بھر آیا
سن ہنڈولے کو ابر رونے لگا — راگ سن کر جواں وہاں سے اٹھا
اس کے اٹھتے وہ گر پڑی ناگاہ — دل سے بے اختیار کھینچی آہ
لوگ لائے ہجوم سب مل کر — ماجرا دیکھ یہ ہوئے ششدر
مل کے تدبیر کی ہزار ہزار — یہ وہ غش سے ذرا نہ ہوئی ہشیار
تب تو ٹھہرا کہ بر ملا ہے یہ — اس جواں پہ ہی مبتلا ہے یہ
کوئی اُسے یاں تلک بلا لاوے — وہی آوے تو ہوش اسے آوے
لائے اُس کو غرض بصد زاری — اس نے آ دیکھی اس کی بیماری
جوں ہی چھاتی پہ اس کے رکھا ہاتھ — جی اٹھی بس دہیں وہ اس کے ساتھ
لوگ اس بیسوا کے بولے یوں — تم گئے تو ہے تم پہ اس کا خون
اب تمہارے اسے حوالے کیا — یہ بچی اس کو اب تمہیں کو دیا

چھوڑ گئے لوگ اُس کو اُسکے پاس   یک بیٹھی تھی یہ نپٹ ہی اُداس
بیسوا بولی میں نہیں ہوں حسیں   اس سے رغبت اب آپ کرتے نہیں
خوب مرجاؤں گی جو غم کھا کر   تو بھلا رونا گور پر آ کر
تب تو کچھ رحم کھا اُنھوں نے کہا   حسن تو ہے تمام تجھ میں بھرا
بھاگتا نہیں میں آشنائی سے   مجھ کو ہے خوف بے وفائی سے
تب کہا اُس نے کیا میں بتلاؤں   تم کہو جس کی میں قسم کھاؤں
بولے یہ اس میں کچھ کہیں گے نہ ہم   کھائی تب ترشتی کی اُس نے قسم
اس قسم پر وہ دل کو دے تسکیں   لگے رہنے ہر ایک آن وہیں
تھی زبس دلفریبی اس میں غضب   بھولے علم و کمال اپنا سب
دین و ایمان سے یک کنارہ ہوئے   رفتہ رفتہ یہ بے قرار ہوئے
دل کو اک درد میں کھو بیٹھے   مال و زر کھویا، گھر کو رو بیٹھے
یہ نہ سمجھے کہ بیسوا کا پیار   کرے غارت یہاں جہاز ہزار
دیکھ کر اُس کی شکل جیتے تھے   وصل میں جام عیش پیتے تھے
وہ تھی دن رات دلربائی میں   لیک پوشیدہ بے وفائی میں
ناگہہ اک روز دیکھتے ہیں کیا   کسی کے سامنے رہی ہے گا
اُن کو اُس کی صدا لگی جوں تیر   اُٹھا جب وہ تو اُس سے کی تقریر
اوروں کو راگ تم سناتی ہو   مجھ کو دکھلا کے کیوں جلاتی ہو
یا تو پہلے وہ کچھ تھے قول و قسم   لگے دل لے کے دینے اب یہ الم
یہ سخن سُن کے اُس نے منھ پھیرا   کچھ نہ بولی، یہ بولے بہتیرا
دن بہ دن پھر تو ایک رنجش تھی   حق و ناحق کی ایک کاوش تھی
جوں جوں کرتے تھے اس سے یہ زاری   اور کرتی تھی وہ دل آزاری

گرتے جس دم یہ پاؤں کے اوپر　　تو وہ سر پر لگاتی اک ٹھوکر
ملے غیروں سے داغ اُن کو نہ سے　　بیٹھے اغیار کو بغل میں لے
جتنا سمجھایا میں یہ نہ سمجھے وہ　　دیں بہت ہاے کمبیون کی خو
تب تو ناچار کر گریباں چاک　　گئے جنگل میں وہ اڑاتے خاک
لگے رونے وہاں بسینہ ریش　　ناگہاں آن پہونچے اک درویش
مرد حق اور جمال نورانی　　چمکے جلوہ سے اُن کی پیشانی
سینہ و دل صفا سے سب معمور　　ذکر حق لب پہ ... رہے نور
دم نہ ماریں بجز رضائے خدا　　قول و فعل اُن کا سب برائے خدا
اُنھوں نے اُس جوان سے پوچھا　　اے جواں کہہ تو تیرا حال ہے کیا
اس بیاباں میں کیوں پھرے ہو خراب　　کیوں ترا حال ہے کیا خور و خواب
رائگاں عمر کھو نہ تو یکسر　　یاد حق سے ہوا نہیں بہتر
عشق ہے تو ہے عشق حق کا بھلا　　کہ بجز حق نہیں کسی کو بقا
اب اور رنگ پر نہ مائل ہو　　بت پرستی نہ کر نہ غافل ہو
ہر چہ در کارگاہ امکاں ست　　پردہ دار جمال جاناں ست
حسن خوباں کو اعتبار نہیں　　کسی کو غیر حق قرار نہیں
حرف نے اُن کے کی نہ جب تاثیر　　چھوڑ دنیا کو اب ہوئے وہ فقیر
ایک شب آدھی رات کو اٹھ کر　　لگے کہنے کہ سرکشی ہے کدھر
جس کی کھائی تھی اُس نے مجھ سے قسم　　کسی میں برکت اب نہ دیکھی ہم
سرکشی نے کیا یہ مجھ سے بیاں　　کہاں میں لاؤں جیسوں کو یہاں
اور بلا اُس جوان کو بھی کہا　　کر دو اس جیسوں کا منھ کالا
تب سے لیتے نہیں یہ اس کا ناؤں　　کالا منھ اُس کا اور نیلے پاؤں

پر کلیجے میں سول اٹھتی ہے جب
ہاتھ باندھ ان سے عجز کرتی ہے تب

اس سے یہ اپنا منھ جو لیتے ہیں پھیر
لیتا ہے پھر درد اس کو گھیر

یاں کی پریاں بھی منھ کو موڑے ہیں
ناچ کر اس پہ تان توڑے ہیں

جھل مشاتی پھرے ہے اب ہر جا
سنتی ہے کب فقیر کی ہے دعا

آدمی زاد میں وفا سو کہاں
تس پہ پھر لے وفا ہے نام بتاں

اس پہ پھر جو کہ بے نوا ہووے
اس میں ڈھونڈو وفا سو کیا ہووے

میاں جوگی نہ بھولو رنڈی پر
کہ وفا کب ہے ان کو مد نظر

داستاں سن کے طوطی نے کی آہ
غش ہوا پھر اٹھا جو وہ ناگاہ

دیکھا وہی سماں وہی پھر سیر
لال کی ہے بغل میں وہ اور خیر

حسن کا بحر مارتا ہے جوش
آپ اور ہر ہری جواہر پوش

بند بند اپنے میں جڑاؤ جڑا
پہنا پھر پور پور میں چھلا

چھلے دکھلا کے جوگی کو جھلا
شاہزادی نے آن کر دیکھا

لال دیکھ اس کو وہیں کھنکھاری
کہ یہ مردوں کی ہے وفاداری

پوچھا جوگی کا ہنا کیا ہے نام
بولی وہ تجھ کو اس سے ہے کیا کام

پھر یہ پہچانی پھر وہ پہچانے
لگی ہر آن سوچ میں جانے

کبھی کہتی یہ ہے وہی محبوب
حیف پر اور کا ہوا مرغوب

لال کہتی تھی راست میرے تئیں
مرد ہیں بے وفا کسی کے نہیں

شاہزادہ بھی دیکھ شہزادی
کہتا کچھ دل کو ہوتی ہے شادی

پر یہ دونوں کی ایک سی ہی جھلک
دیکھ یہ شکل ہو رہا ہوں جھجک

ایک ان میں ہے شاد اک مغموم
میری دلبر مجھے نہیں معلوم

بس کہ وہ غم سے ہو گئی تھی نزار
اس کو پہچانتا نہ تھا زنہار

دم بہ دم لاؔل ہی پہ تھا مائل — دیکھ کر حسن کو دیا تھا دل
لاؔل بولی کہ شہ یہاں سے اُٹھو — تم جو سچ مچ ہو چاہتے مجھ کو
ایدھر اُودھر نہ جھانکیے صاحب — سَوت کر یاں سے ہانکیے صاحب
ہر طرف دیکھتے دکھاتے ہو — واہ وا کیوں مجھے جلاتے ہو
دیتے ہو ہر کسی کے ہاتھ میں ہاتھ — پہ جو چلے مت کرو یہ میرے ساتھ
واں شکر پاؔرا نے پڑھا دوہرا — جس میں فریاد کا سا ہے لہرا

دوہرہ:- ہات چھڑائے جات ہو نبل جان کر موہ
ہِردے میں سے جاؤگے تو مرد بدوں گی توہ

تب شکر پاؔرا سے وہ ہاتھ چھڑا — لاؔل کے ہاتھ کو پکڑا کے چلا
لے کے شہزادہ کو وہ بیٹھی جا — اور شکر پاؔرا دیکھتی تھی جفا
بس نہ تھا اُس کا کیا کرے مجبور — کہ زمیں سخت آسمان ہے دور
کہا دل سے کہ دل نہ ہو تو خفا — تو نے دنیا میں کیا نہیں یہ سنا
چار دن کا ہے چاندنی کا سُہاگ — پھر جو دیکھو وہی اندھیرا پاک
لاؔل سے یوں کہا کہ بہنا جی — تم تو آئیں نظر بڑی پاجی
بیٹھو کوئی آن گود میں اُس کی — کبھی تو دن پھریں گے میرے بھی
شاہزادی نے منہ پہ ہاتھ پھرا — کہا سمجھوں گی میں بھلا جی بھلا
کبھی اپنا تو داؤں پاؤں گی — ناچ کیا کیا تجھے نچاؤں گی
پھیر کر منہ چلی گئی کر آہ — سچ کہ ہوتا بُرا ہے سوتیا ڈاہ
عیش میں لاؔل شاہزادے کے پاس — اور پری زاد گرد اُس کے پچاس
کوئی چھبیلی تھی، کوئی سجیلی تھی — کوئی نکیلی تھی کوئی رنگیلی تھی
کوئی آنکھیں ملے تھی، کوئی مخمور — بیٹھے تکیہ لگا کے کوئی مغرور

ایک کاندھے پہ رکھتے ایک کے ہاتھ / کوئی گلے باہیں ڈالے ایک کے ساتھ
ایک گل باندھتی تھی داماں میں / ایک دامن رکھے گریباں میں
کان پر تھا کسی کے پھول دھرا / باہے ٹکا کسی کے پاؤں پڑا
کسی کے ہاتھ میں تھی پوتھ پڑی / کسی کے کان موتیوں کی لڑی
کوئی کرتی کسی سے گل بازی / کوئی پٹاخی سے کرتی دمبازی
ناز سے کوئی لیتی انگڑائی / چھاتی کھول اک ادا سے دکھلائی
ایک دکھلاتی چین پیشانی / ایک لطف و کرم میں لاثانی
ایک غمزے سے دیتی جام شراب / ایک ہر بات میں کرے تھی عتاب
کوئی ٹھٹھولی سے ہنساتی ہے / کوئی چھینٹے کھڑی اڑاتی ہے
محو شہزادہ تھا تماشے میں / غرق تھا لال ہی کے دریا میں
اتنے میں آمرت آن کر پہونچی / کہا شہزادی سے کہ بہنا جی
دوڑی پہچان کر ستکر پارا / خستہ و زار اور آوارہ
جا بار روے وہ خوب کرکے خروش / بولی وہ وقت ابھی نہیں خاموش
کہا طوطی سے تم تھے دانش مند / لال کے جاؤ دیکھ ہوئے خورسند
جلد انگشتری پہ کیجے نگاہ / نہیں تو خوب ہوں گے آپ تباہ
مار اک لال کو چھڑی گئی بھاگ / خواب سے شاہزادہ اٹھا جاگ
دیکھی انگشتری تو اس میں پڑھا / جلد اٹھ اب قدم کو آگے بڑھا
یہ جو ہے سرخ رنگ سا اک جھاڑ / زور کر اس کو اور جڑ سے اکھاڑ
نکلے گا اک دیو یہاں سے ابھی / منہ میں اس کے تو ڈال انگوٹھی
اس نے جلدی اکھاڑا سرخ شجر / دیو ستو گز کا ایک آیا نظر
اس کا منہ جھاڑ اور سر تھا پہاڑ / دوڑا شہزادے پہ وہ پنجے جھاڑ

ہاتھ پاؤں آنکے ڈالے تھے بڑھ کے / کوہ پارے سے بند سب دھڑکے
منھ سے شعلے نکلتے آتش کے / بلکہ واں پر تھے جلتے آتش کے
دوڑا منھ کھول اور زباں کو نکال / منھ میں دی شاہزادے نے انگوٹھی ڈال
وہ تڑپنے لگا اِدھر اور اُدھر / ہوگیا جل کے پل میں خاکستر
ہوا اہرمز کا جب کہ کام تمام / رہ گئی جس پری کا لاکن تھا نام
اس نے دیکھا کہ یہ ستمگر یارا / لائی آفت رکہ بھائی کو مارا
اس کو بھی داغ دے جلا دیجے / آگ اب سمسر کی لگا دیجے
ارتھی اک جلدی سے بنا لائی / خوطی کو مار کر بٹھا لائی
دیکھ کر وہ یہ سن کر سب عالم / بیٹھے جاتے ہیں رو کر کرتا ماتم
پوچھا شہزادی نے کہ کیا غم ہے / کس کا تابوت اُس کا ماتم ہے
بولی وہ بنا خاک بتلاؤں / یہ سخن کیا زبان پر لاؤں
دیکھ لے آپ تو ہے جو کوئی / جس کی طالب تھی تو وہ ہے کوئی
یہاں آیا تھا کر کے جی کو کرخت / مار اُس کو گیا کوئی کم بخت
کھول تابوت اُس نے دیکھی جو لاش / کہا تیرے بدل میں مرتی کاش
اب نہ اک دم یہاں میں دم لونگی / ساتھ تیرے ابھی ستی ہوں گی
جتنا لوگوں نے اُس کو سمجھایا / اُس کی خاطر میں واں نہ کچھ آیا
گھڑی دو چار تو رہا جھگڑا / آہ! نا چار پھر یہی ٹھہرا
خوب جلتی ہے یہ تو جلنے دو / ست چڑھا ہے اب اُسکو کچھ نہ کہو
تب ستی کا بنایا اُس کا سنگار / پان کھائے گلے میں ڈالے ہار
لال سب جوڑا پہنا اور گہنا / دم بہ دم تھا یہ رام ہی کہنا
اوڑھ کر بیٹھی سر سے چُنری لال / ہاتھ اور پاؤں میں تھی مہندی لال

ناریل کو اچھالتی جاتی حال سب کو ہمیں کا بتلاتی
بیٹھی وہ لعل کے تھی سرہانے کو اور بتہ لگی پھرا لے کو
پان کھاتی تھی اور ہنستی وہ لوگ جو دیکھتے سو دیتی رو
آگے گانے بجانے کی تھی دھوم پیچھے اک خلق کا تھا اس پہ ہجوم
جب کہ چندن جلا کے ڈالا گھی لگے سر پیٹنے کو اپنا سبھی
پڑھا اُس نے یہ خسرو کا دوہرا جس کے مضموں نے دل کو سوخت کیا

دوہرا:- خسروا ایسی پیت کر جیوں ہندو کی جوئے
پوت پرائے کارنے جل بل ماٹی ہوئے

اتنے میں ایک جوگی نے یہ کہا سُن لے تو بھی ستی مرا دوہرا

دوہرا:- ستیاں ہیں کو ستیاں جو جلیں پیا کے پال
ست اُن کا ہی سراہیے جو جلیں سنبھال سنبھال

بولی شہزادی تم تو جوگی ہو میں بھی سوگی ہوں مجھکو جلنے دو
بولا کیوں آپ جلنے کو آئیں ابھی جیتا تمھارا ہے سائیں
دشمنوں نے کیا ہے یہ جادو کہ موا دیکھ سائیں کو جلے تو
فتح وہ اب طلسم کرتا ہے جیتا پھرتا ہے کوئی مرتا ہے
باطل السحر جوگی نے جو پڑھا مُردہ جادو سے نکلا اُٹھ بیٹھا
گئی وہ شاہزادے کی تشبیہ نکلی صورت نپٹ ہی اُسکی کریہ
لال نے پوچھا تم میاں جوگی نظر آتے ہو کچھ بڑے بھوگی
بارے ہم کو بھی پھر سکھاؤ گے کہا جب میرے گھر میں آؤ گے
لال بولی کہ میں پرائے ہوں بس بولا جوگی کریں گے تم سے رس
فتح طوطی طلسم کر آیا اور میں بیاہ تجھ کو گھر لایا

کہا نام اپنا تو دلاؤ یاد — کہا شہزادے کا ہوں میں اُستاد
میرا لوگوں میں رام چند ہے نام — اب تو جاتا ہوں مجھ کو ہے کچھ کام
اُس میں لکھا تھا فتح ہو چکے جب — دودھ میں جلدی دھو تو مجھ کو اب
اور پھر ملک کو نے کرنے اسکو شتاب — جو لے تجھ کو گنج اور اسباب
جتنے بے تن اہیں سر کو تن بے سر — ملیں آپس میں وہ ابھی یک سر
ہوویں انسان ساری تصویرات — آدمی ہو کے بیٹھے سب کریں بات
ایک گھوڑا ہے لائق شاہی — اُسپہ دولھا دلھن ہو تم راہی
جو جو دیکھا انگشتری میں لکھا — شاہزادے نے موجب اُسکے کیا
لال کے بیاہ کا کیا ساماں — گنج اور مال خوب خرچا وہاں
جتنی تصویریں آدمی ہوئی تھیں — سب براتی وہاں وہ جن بیٹھیں
اسپ جمشید پھر تو منگوایا — اُڑتا وہ اسپ جوں پری آیا
اُس پہ نوشہ کے تئیں سوار کیا — بنرا وہ رام چند خوب بنا
سر پہ سہرا گلے میں خلعت خوب — آپ محبوب گھوڑا اک محبوب
اُڑتا جاتا تھا وہ پری کی مثال — پہونچے رفتار کو نہ اس کی خیال
بلے پر و بال آسماں کو اُڑے — جس طرف پھینکیے وہ گل سا مُڑے
زلف خوباں سے اُسکے دُم کے بال — چوٹی لیلیٰ کی تھی وہ اُسکے عیال
نقش سُم پر جو اُس کے کرتے نگاہ — تو زمیں پر ہوں چار پیدا ماہ
عیب سے پاک اور ہُنر سے بھرا — کچھ شرارت نہ اُس کے تیر ذرا
طے کرے آسماں زمیں دو لول — خوبصورت وہ اور زیں دو لول
گھوڑے پر رام چند سا دولھا — کانورد لیس لے برات چڑھا
چوک بازار اک طرف گلزار — اک طرف تھی براتیوں کی بہار

شہر خوب اور عمارت اُسکی خوب — جائے دل چسپ آدمی محبوب
واں کے دیوار و سقف سب شفاف — کہیں نقاشی اور کہیں تھی صاف
نہریں اور چاہ اور آب رواں — اور دو رستا درختوں کا تھا سماں
ہوا سب شہر واں کا آئینہ بند — شادی سے لال کے ہوئے خورسند
پر شکر پارا کچھ نہ کرتی بات — غصے میں تھی وہ جب تلک تھی برات
ناچ اور راگ و رنگ اور طعام — رہا موجود کتنے روز تمام
عقد میں شرط رام چند نے کی — کرے جادو سے لال تو یہ ابھی
کہا مرت کو بھی بقصد تکرار — تو بھی جادو سے کر اب استغفار
شہ کو انگوٹھی دی کہا پھر اور — بت پرستی سے توبہ کر فی الفور
ہے سلیماں نبی کی انگشتر — کفر اور کافری سے کیجے حذر
علم رکھتا ہوں جوگیوں کا میں — جز خدا پہ کوئی نہ سمجھا میں
لال اور مال لے جدا راہی — شہ کو دی شاہزادی اور شاہی
شہر کا بند و بست شہ نے کیا — پھر شکر پارا پاس جا بیٹھا
کہا گھوڑے پہ دونوں ہو دیں سوار — اور ہوں اُڑ کے چلنے کو تیار
لو شکر پارا اب سوار ہو تم — یاں سے راہی مرے دیار ہو تم
چلو ہم تم ملے ہوئے خورسند — دیکھتے ہوں گے راہ راجہ انند
بولی وہ جوگی کو میں کیا جانوں — تجھ کو میں کس نشاں سے پہچانوں
میں تو شہزادی ہوں شکر پارا — میرا شوہر ہے بن میں آوارا
علم سے اپنے کرکے کایا پلٹ — جاتا تھا ایک پل میں اور کے گھٹ
آگئے طوطے کے گھٹ میں تھا وہ گیا — اسی طوطے کو میں رکھا ہے لا
گر تو قالب میں اُس کے آجاوے — تو مجھے اعتبار ابھی آوے

کہا طوطا کہاں وہ لائی جھٹ | گیا یہ اُس میں کر کے کایا پلٹ
اُس نے پنجرے میں اُسکو ڈال دیا | لیا جلدی وہاں سے تن کو اُٹھا
رکھ کے صندوق بیچ ہو کے سوار | پہونچی راجہ آنند کے وہ دیار
کہا میں ہوں وہ یہ بیٹا ہے | لیک افسوس ہے کہ مُردا ہے
لاش بیجاں وہ لگے رونے | کر کے فریاد جی لگے کھونے
ہنس پڑی وہ کہا خوش رہو | طوطے میں جی ہے اس کا پنجرا لو
کر کے کایا پلٹ یہ آوے گا | اپنا قالب جو دیکھ پاوے گا
پر مجھے تم چھپا کے بٹھلاؤ | ابھی جلدی نہ اُس کو بتلاؤ
خوب جس دم کہ ہوگا منت دار | تب نشاں میرا کیجیو اظہار
جلد راجہ آنند نے وہ قفس | کھول کر لاش کو دکھایا بس
وہیں نوبت خوشی کی بجنے لگی | تھی مبارک سلامت اور شادی
دوڑی ماں طوطی کی وہیں اُس آن | لگی ہونے وہ بیٹے کے قربان
کہا یہ دن خدا نے دکھلایا | روتے روتے ہوئے تھے نابینا
لوگ لے ملے کے دوڑے پھر صدقات | کہ خدا نے دوبارہ بخشی حیات
کون زر مال کو نثار کرے | سر پہ کوئی ۔ کے جانور چھوڑے
ڈوم ڈھاری تمام لائے ہجوم | سر نو بیاہ کی ہوئی یاں دھوم
ناچ اور راگ رنگ ہونے لگا | آسماں دیکھ دنگ ہونے لگا
تازگی ہر مکان میں آئی | خلق کی جان، جان میں آئی
باغ میں ہوئی بہار کی رونق | ہوئی پھر اُس دیار کی رونق
لالہ و گل کو آب و رنگ ملا | غنچہ گل کا ہر اک خوشی سے کھلا
بولا نوشاہ مری دُلہن ہے کہاں | جلد بتلاؤ مجھ کو ہے وہ جہاں
کہا سب نے تم آن پہونچے ہو | پھر دکھایا ہے حق نے اب تم کو

تم سلامت ہو اب تو کیا ہے کمی   ہوں گے موجود یاں اب آ کے سبھی

لگا کرنے وہ نالۂ و فریاد   کہا اُس پن ہے مجھ پہ تو بیداد

گیا میں باغ و بہار کو دیکھوں   جب تلک اپنے نہ یار کو دیکھوں

تب بتایا اُنھوں نے اُسکا نشاں   گیا ہو بے قرار طوطی وہاں

بیٹھی شہزادی اُس سے منھ کو چھپا   ہاتھ قدموں کو وہ لگانے لگا

ہاتھ اُس کا جھٹک، کہا چل دور   یاد کر لال پر جو تھا مغرور

واں طلسمات دیکھ بھول گیا   لال کو دیکھ مجھ کو بھول گیا

بس جی بس دیکھا تم کو اب جاؤ   جو چلے اور کو یہ دکھلاؤ

اب یہاں آ کے میرے پاؤں پڑے   بیٹھے واں سوت کو بغل میں لیے

جیتے جی تم سے بولنے کی نہیں   نکل جاتی نہیں یہ میرے تئیں

کون ہے تو ارے یہاں سے نکل   اپنا منھ پیٹ لوں گی میں چل چل

اُٹھ چلی واں سے وہ یہ کہہ کر بات   کھینچا دامن کو اُس نے ہو بیتاب

چین نکلی اگئی وہ چولی مسک   آئی اتنے ہی میں کمر میں لچک

یہ نزاکت نہیں کہ آفت ہے   کسی گل میں بھی یہ نزاکت ہے

بیٹھ صندل سی وہ نظر آئی   چوٹی دی ناگنی سی دکھلائی

اور سباف اسمیں اس طرح چمکے   گوہر شب چراغ جوں دمکے

مار بھی دیکھ کر رہے من مار   آنکھ ٹھہرے نہ اُس کی بھی زنہار

شاہزادے سے دور کھینچا ہاتھ   گرا اک آہ کر وہ اُس کے ساتھ

تیر سا اُس کے اک جگر میں لگا   شاہزادے کو ہوش کچھ نہ رہا

مار ٹھوکر اُٹھایا پھر اُس کو   مر چکا تھا جلایا پھر اُس کو

تب تو کچھ غصہ ناک سے اُترا   کر چکی خوب سا وہ بکتوڑا

معذرت شاہزادے نے چاہی   کہ طلسمات تھا وہ کچھ واہی

سچ کہوں ہوں میں پوچھ کے تیرے قدم   اُس سے کچھ کام تھا نہ تیری قسم
اب یہ دل سے ملال جانے دے   بول ٹک منہ سے میں ترے صدقے
مجھ کو واں اپنا اختیار نہ تھا   سحر تھا اُس کا اختیار نہ تھا
شرم سے آنکھ پھر چرائی کچھ   کچھ دکھائی جھب اور چھپائی کچھ
منہ کو گھونگھٹ میں وہ یوں دکھلائے   بدلی جوں آدھے چاند پر آوے
جب یہ بیٹھی ادھر سے منہ کو پھیر   کہے شہزادہ ہے بڑا اندھیر
ہاتھ دوڑائے جب ذرا یہ سرک   دیتی جھنجھلا یہ اُس کا ہاتھ جھٹک
تب تو شہزادے نے کیا یہ کام   لایا جلدی سے دور شیشہ و جام
کہا اس سے کھلے گا اُس کا دل   دور ہو گا ملال جائیں گے بل
امرتی کو بلا لیا فی الحال   اور کہا ساتھ رہیو تو دو ذیل
دونوں مل کر بناؤ سے آئیں   دلہا دلہن کی آ بلائیں لیں
پھر شکر پارا منہ سجا بیٹھی   ماش کے آٹے کی طرح اینٹھی
کہا امرت نے واہ میری بوا   کیا خوب اُس جگہ کا یاں بدلا
دل کی بھی معاف ہو تقصیر   دل میں جو ہو سو دیجیے تعذیر
بولی وہ اُس سے مجھکو کیا ہے گلا   میری قسمت میں تھا سو مجھ کو ملا
کہا تجھ کو ہمارے سر کی قسم   کہا تیری قسم کہ خوش ہیں ہم
کیا پھر اس نے جام کو لبریز   کچھ پیا اُس نے اور کچھ کی گریز
کچھ ہنسی بیٹھی پھیر تیوری چڑھا   دال بولی کہ اے ترا خفا
سچ کہ اُلفت نہیں ہے تیرے تئیں   دل میں رتی ہے اور منہ پہ نہیں
منہ میں اک جام بھر دیا ہو ڈال   اور کہا دل کا اب غبار نکال
پھر دیا شاہزادے کو بھر جام   کہا لو یاں تھی اب نہیں ہے کام
ہنس پڑی شاہزادی سن یہ بات   کہا اولا لگتی ہے بدذات

شاہزادے نے شیشہ لے مارا　　کہاں جاؤ اب ستمگر آرا
کچھ گرا کچھ پیا لٹے آئے　　دونوں آنکھوں میں اشک بھر لائے
لگی رونے وہ پچھلے غم کر یاد　　لگی کرنے گلے سے مل فریاد
دیکھ اُس سے کہے یہ اُسکے ساتھ　　دونوں لپٹے گلے میں ڈال کے ہاتھ
لال آمرت سرک گئیں اک بار　　سمجھیں وہ اب نشے میں ہیں سرشار
بیٹھے جا کر پلنگ پہ دونوں ماہ　　شرم سے ماہ نے کی نیچی نگاہ
کچھ ملا منہ سے منہ بدن سے بدن　　کچھ ملا لب سے لب دہن سے دہن
کچھ بڑھے آگے چھاتی پہ رکھ ہاتھ　　کچھ ہوا اور شوق اُس کے ساتھ
پڑے سرکھٹ کے چھوڑے اور آگے　　سرو اور غنچے ملنے کو لاگے
یہ اُدھر کھینچے وہ اُدھر سرکے　　الگ ہو گئے کنارے سب گھر کے
شکتم گتھا ہوئے تھے کر کر جوش　　شمع جو تھی کھڑی ہوئی خاموش
کھل گئے گل کی شکل ہو مسرور　　غم جو پچھلے تھے ہو گئے سب دور
سچ ہے جو کوئی کھینچے ہے آفت　　اُس کو ملتی ہے آخر اک راحت
میں بھی کھینچی ہر محنت لے حسرت　　کہے ہیں شعر کتنی کر محنت
داستاں کے تئیں کیا موزوں　　خوب اس میں جگر کیا ہے خوں
شاعری اس میں گرچہ میں نہیں کی　　کہ نہیں لگتی اب کسی کو بھلی
سہل ہے شعر اس زمانے میں　　آگے ہیں سننے اور سنانے میں
میں بھی سمجھا اسی میں خوش ہو یہ دیس　　ہے مثل جیسا دیس ویسا بھیس
کیا اس بول میں یہ قصہ تمام　　اور رکھا طوطی نامہ اس کا نام
حق سے اُمید ہے کہ ہو مقبول　　گو یہ معقول ہے کہ نا معقول)

ہر کہ خواند دعا طمع دارم
زاں کہ من بندۂ گنہگارم

متعلق کتابت نسخۂ قلمی

نسخۂ قلمی (ملکیت جلسۂ تہذیب لائبریری لکھنؤ) جس سے یہ مطبوعہ نسخہ تیار کرکے پیش کیا جا رہا ہے، میں بعض الفاظ کی کتابت آجکل شائع کتابت سے مختلف ہے۔ یہ اختلافات اس قسم کے ہیں:-

(۱) پیش کے لئے واؤ کا استعمال عام تھا۔ اب بھی بعض لوگ اُسی طرح لکھتے ہیں جیسے اوس (اُس) ہوتیرا (ہتیرا) اوستاد (اُستاد) اوسے (اُسے) اوتر (اُتر) اُودتر (اُتر) اوٹھا (اُٹھا) وغیرہ۔

(۲) جہاں دو متحد لفظوں میں حروف متصل کی آواز ایک ہو تشدید دے دیتے تھے۔ مثلاً اُسّے (اُس سے) اِسّے (اِس سے) جسّے (جس سے) وغیرہ۔

(۳) ہائے مخلوط اکثر اڑ جاتے تھے مثلاً تجکو، مجکو بجائے تجھ کو، مجھ کو، تُجسے مُجسے، بجائے تجھ سے، مُجھ سے۔ کبھی کبھی ہائے ہوز بھی غائب ہو جاتی تھی جیسے بلک بجائے بلکہ۔ کبھی مخلوط (ھ) بڑھی ہوتی تھی جیسے دھال بجائے دال۔

(۴) ہی کے بجائے ہیں، بولتے اور لکھتے تھے مثلاً جوہیں (جوں ہی) یونہیں (یوں ہی) دوہیں (دو ہی) وہ، کے بجائے وو، لکھتے تھے اور اسی رعایت سے اس کا قافیہ جو، ہو، لاتے تھے۔

(۵) ہمزہ کے بجائے و، کا استعمال تھا جیسے آوول، جاوول، اٹھاوول بجائے آؤں، جاؤں، اٹھاؤں وغیرہ۔

(۶) زیر کے بجائے ے، کا استعمال جیسے ایک، ایترا، میرا بجائے اِک

، ترا ، مرا۔

(۷) دولھا، دولھن، انگوٹھا و انگوٹھی کو دُلہا (بروزن سُرمہ)، دُلہن (بروزن دھوبن)، انگوٹھا (بروزن مشہودہ)، انگوٹھی (بروزن باتونی)، بھی لکھتے اور بولتے تھے۔

اس مطبوعہ میں متن زمانۂ حال کے طرزِ کتابت کے مطابق دُرست کر کے لکھا گیا ہے لیکن جہاں کہیں وزنِ شعر کی خاطر ضروری تھا کہ پُرانا ہی اِملا برقرار رکھا جائے وہاں اسے اسی طرح لکھ دیا گیا ہے۔ البتہ قلمی نسخہ میں جہاں کہیں کتابت کی غلطیاں تھیں انھیں درست کر دیا گیا ہے۔ مثلاً ہُرمز کو حرمض، اور تازہ کو تاضہ، لکھا تھا اس قسم کی غلطیاں صحیح کر دی گئی ہیں۔

(مُرتب)

فرہنگ

آپَن = آپن، خود۔

اچرج۔ تعجب۔

اَدَوَنچہ = پلنگ کی پُرتکلف سفید چادر جس کے حاشیے پر کارچوبی یا کلابتونی کام بنا ہوتا ہے۔ یہ چادر پلنگ پوش اور توشک کے نیچے بچھائی جاتی ہے جس کا حاشیہ دار کنارہ نیچے لٹکتا رہتا ہے

اَنوپ = بے مثال

اودھر = اُدھر۔

بادرنشیہ۔ پھرکی، وہ گول سوراخدار لکڑی جو خیمے کی چوب پر رکھتے ہیں۔

بھاؤں = (بھاؤں میں) نزدیک، خیال میں۔

بجنتری = باجا بجانے والا۔

بُچّا دینا = گُچّا، ٹھوکا یا ہلکا مُکّا مارنا (یہ لفظ مضافات لکھنؤ میں مستعمل ہے)

بھچک = متعجب۔ ششدر۔

بدرنگ = بدطینت۔

بدری = بیدر (دکن) کے بنے ہوئے جست کے برتنوں پر چاندی کا کام۔

بِرَچھ، بِرچھ = (ورکش سنسکرت) درخت

بَرَن = سراپا، حلیہ۔

بڑھ کرنا = شدت کو بڑھانا۔

بنرا، بنری = بنرا۔ بنری، دُولھا دُلہن

بھوگی = عاشق مزاج۔

بھوئیوں = راستوں سے واقف عورتیں۔

بہینا = بہنا، بہن۔

بِنیا = پیشانی پر کا ایک زیور

پال = ارتھی، ہندوؤں کا جنازہ

پٹاخی = طرحداری۔

پُٹکی = آفت، مصیبت، قہر

پَن سپاری = پان سُپاری

پھال = وہ نوک جو تیر کے پیکان میں ہوتی ہے

پوتھ = شیشے کے دانوں کی مالا۔

پھیر = پھر

تاس = بڑا طشت۔ تسلا۔

تل = پہاڑی۔

تمامی = ایک زرتار ریشمی کپڑا۔

ٹُنگ = چھوٹے منہ کا کوزہ

تورا = عورتوں کی پالکی پر ڈالنے کا ایک
جال، چھکا۔
تھوتھی = ٹھس، بے کار لغو
تیر = نزدیک، پاس۔
ٹھانو = جگہ۔
ٹونا ٹامن = جادو منتر۔
جاہی جوہی = ایک قسم کی آتشبازی جو جوہی کے
مشابہ ہوتی ہے۔
جاگہہ = جگہ۔
جھل = خفگی، بدخواہی۔
جوگنا = جوگ (ستاروں کا ملاپ) سے فعل
جوگ بنایا ہے یعنی ستاروں کا ملاپ
دریافت کرنا۔
جوئے بھونرے = تہہ خانہ
جھنڈ ناتا = (غالباً) بنڈل کی طرح اکٹھا
کیے ہوئے۔
جھنکر = باجا بجنے کی آواز۔
جھونٹے = پینگ۔
جوئے = بیوی۔
چھی = (ھو) چل دور ہو۔ (یہ لفظ کبھی حقارت
کبھی ناز یا اختلاط کے موقع پر بولا

جاتا تھا۔
چلون = چلمن۔
چلکتیاں = چمکتی (تھیں)
چھاریں = چھارنوں۔
چوڑا = لاکھ کی بڑی چوڑی
چوز = چاؤ اور چوز، ناز نخرا۔
چھاؤں = سایہ۔
چھلا = فریب دیا، چھلا۔
خندی = بے حیا۔
دارو = دارو۔
دامنی = بجلی۔
دربند = قلعہ کا دروازہ۔ پل
دلا کھینچا = کھینچا۔
دلڑا = دو لڑ دل کا ہار
دم بازی = مکاری، دغابازی۔
دورستہ = دورویہ۔
دہرا = مندر
دھانا = دوڑ کرانا۔
دھنگانا = پریشان کرنے یا زچ کرنے کا
نیگ (معاوضہ)
دھرضا = بڑا نقارہ۔

ڈاریں = (جانوروں) کے جھنڈ۔

ڈکی = ٹکی۔

ذات = جوہر۔

رحم = میٹھے چاول کا گولہ۔

رنڈی = عورت۔

روپے = چاندی

رزگری = وہ مصنوعی یا خود ساختہ بولی۔ جس میں ایک یا دو حرفوں کے بیچ ز لا کر بولتے ہیں۔

زدڑ = واہی تباہی باتیں

سالو = ایک قسم کا سُرخ کپڑا۔

ست سیا = برج بھاشا کے مشہور شاعر بہاری لال گوالیاری کا دیوان جس میں سات سو دوہے ہیں۔

سرستی = علم کی دیوی کا نام

سرناپی = نفیری بجانے والا۔

سرکھٹ = چھوٹا پلنگ۔

سمیں = سمے، سماں۔

سول = ہوک، درد

سوبا = نرالی اور دلچسپ خبر یا بات۔

سہاگ = زیور

ریان = سیانا۔

شری کرشن = سری کرشن

ضرور = ضرر کی جمع

علاماں = علامہ، نہایت چالاک اور عیار عورت۔

غنغنانا = گنگنانا۔

قرقرے = ایک قسم کے آبی پرند۔

قلب جاگر = بیچ شہر کے۔ یا بیچ شہر کے

قور = جھالر، وہ فیتہ جو کپڑوں کے حاشیہ پر لگاتے ہیں

قیق = چیخ، چیخیں۔

قلب جاکہ = بیچ شہر یا بیچ محل کے۔

کاشی = (غالباً) کاسنی رنگ

کال = سانپ۔

کاڑا = کھانا۔

کانچے = شوق، رغبت، خواہش۔

کاے = کدلے۔

کبجا = ایک کبڑی عورت جو کنھیا کی عاشق تھی۔

کنک = سیاہ۔

کلابازی = قلابازی

کسبی = پیشہ ور۔

کسنا = (اسم) بستر باندھنے کا تسمہ، پلنگ کسنے کی ڈوری۔

کلپ = جنت میں ایک درخت طوبیٰ

کمٹھا = بانس کی کمان۔

کنٹھا پٹھا = کنٹھا پٹھا، انگیا کے بعض حصے

کنے = پاس۔

کوستیاں = کستیاں، غلط انداز سے ستی کی رسم ادا کرنے والیاں۔

کیفی = مست۔

گاتی = گات بدن، عورتیں چادر یا دوپٹہ کو دونوں کاندھوں پر ڈال کر سینہ پر باندھ لیتی ہیں اسے گاتی باندھنا کہا جاتا ہے کہ عورتوں کے سینہ کو بھی کہتے ہیں اور اُن کے جسم کی خوش نمائی کو بھی۔

گھٹ = قالب۔

گھمری لینا = چکر کھانا۔ گرد پھرنا۔

لات کرنا = (ٹھانیا) چل کر جانا۔

لیکھا = شمار، حساب

ماماں = ما۔ ملازمہ

مانجھ = ایک راگنی کا نام۔

مت والے = اہلِ خرد، سمجھدار لوگ۔

متولے = وہ پتھر جو قلعہ کی فصیل یا برج سے نیچے دشمنوں پر پھینکے جاتے ہیں۔

مُڑکی = طبلے پر ہلکی تھاپ

مُڑیاں = مُڑ گئیں

مُقابہ = سنگار دان۔

مُقوے = کوٹ کرکے کاغذ کا بنا ہوا بکس۔

منتی = مانتی۔

منکا = سونے کی لڑیوں کی مالا۔

مول = پنجابی، بالکل۔

مُہرا = تمہید، آغاز۔

نٹیوں = ایک قوم جو جامہ اور پگڑی پہن کر ناچنے کا پیشہ کرتی ہے۔

نکھوڑے = نخرے، ناز۔

نیر = نزدیک۔

نیگ = وہ حق جو رشتہ داروں یا خدمتی لوگوں کو تقریبات کے موقع پر دیا جاتا ہے

واچھڑے = کلمۂ تعجب (متروک)

ودھیں = وہیں

یساول = نقیب، چوبدار، فوج کی حاضری لینے والا افسر

چند اختلافات نسخ لکھنؤ و کلکتہ

صفحہ	نمبر شعر	ن لکھنؤ	ن کلکتہ
۱۹	۲	دیکھا... کو	کہا... سے
	۱۱	دار کی	دار کا
	۱۵	ملا ہے	پلائے
	۱۶	عاشق	عشق
۲۰	۱	نہ دریغ	نہ تیغ
	۱۱	پھر تو	پتھر
	۱۱	کون	ہے
	۱۱	پر سر	کو
۲۱	۹	ہندوؤں ایں	ہندوی کیا
	۱۰	تجھے	ہمیں
	۱۶	ہوا	رہا
۲۲	۳	تھا	ہے
۲۳	۲	کالے	کر لے
۲۵	۱۲	نے	سے
۲۶	۱۸	کی	میں
	۲۰	تم نے ہو گا	ہو گا تم نے
۳۰	۱۹	میں پیغام	ہکو پیام
۳۲	۱۸	یک یک سر کا	ہر کر اک ہے

صفحہ	نمبر شعر	ن لکھنؤ	ن کلکتہ
۴۲	۱۹	بھی نہ خبری	نہ جی نہ خبری
۴۸	۱۲	وہ ہیں	دل میں
۴۸	۱۷	اس کو ہوئی	ہوئی اُسے
۵۴	۲	یہ	کی
۶۴	۶	لالہ	لالہ
۶۳	۱۹	بھنی	پڑی
۷۸	۱۹، اتا	کوئی سہاگول	مرت
۹۲	۱۶	نہال سے	اٹھا سی
۱۱۳	۱۹	تیری روتے	روتے تپتے
۱۲۰	۱۰	جاتا	جانے
	۱۱	کوئی۔ جھوٹ	
۱۲۱	۵	بچھا بیٹھی	بچھاتی تھی
	۵	معہ جا بیٹھی	دکھاتی تھی
	۷	اپنی	کوئی
	۱۲	بجھا	بچہ
	۱۵-۱۲	کوئی... ہلا	
۱۲۴	۷	مرتی کی اس میں	اس نے مرتی کی
۱۲۶	۴	جھل	چھل

کیا یہ علمی ادبی کتب آپکی لائبریری میں ہیں؟

انشائے ماجد	(مولانا عبدالماجد دریابادی)	5/8
مشکلات غالب	(نیاز فتحپوری)	2/8
گیت انجلی	(عبدالحلیم شرر لکھنوی)	1/4
مضامین شرر		4/8
اردو انشائیہ	(سید صفی مرتضیٰ)	3/-
ہندستانی لسانیات	(ڈاکٹر محی الدین قادری زور)	3/-
ناول کیا ہے؟	(ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی و احسن فاروقی)	3/8
ادب کا تنقیدی مطالعہ	(ڈاکٹر سلام سندیلوی)	3/8
ادبی اشارے	〃 〃 〃	3/4/-
ہندوؤں میں اردو	(رفیق مارہروی)	1/0
زبان داغ	〃 〃	3/8
بزم داغ	〃 〃	3/4
گذشتہ لکھنؤ	(عبدالحلیم شرر)	4/8
مثنوی سراپا سوز	(ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی)	-/12
باقیات غالب	(وجاہت علی سندیلوی)	2/8
مقالات تلہری	(اختر علی تلہری)	2/8
مشاعرہ عالم ارواح	(مرتضیٰ حسین موسوی)	4/-
مراثی انیس میں ڈرامائی عناصر	(شارب ردولوی)	3/-
دربار اکبری	(محمد حسین آزاد)	12/-
پنجاب میں اردو	(محمود شیرانی)	5/-